إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

مارچ ۲۰۱۸ء

ماہنامہ

البرہان

لاہور

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ماہنامہ **البرہان** لاہور

جلد ۲۲، شمارہ ۳، مارچ ۲۰۱۸ء/ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ

مشمولات

تعلیم، تربیت، تحقیق، غیر رسمی تعلیم

O میڈیا

اسلامی تناظر میں کام کرنے کی ایک 'فوری ضرورت' — مدیر — ۴

O جدید تعلیم

- پاکستان کے قومی نظام تعلیم کی تشکیل میں ناکامی — پروفیسر ملک محمد حسین — ۵
- پنجاب میں جنسی تعلیم بذریعہ مساجد — پروفیسر طارق بٹ — ۱۲

O تعلیم و تحقیق

دائرہ ہائے تحقیق: اسلامی و عمرانی علوم میں تحقیق (دوسری قسط) — ڈاکٹر محمد امین — ۱۴

O دینی مدارس

دینی مدارس میں طلبہ پر تشدد — مولانا خلیل الرحمن چشتی — ۲۲

O تزکیۂ نفس

محبت — ۲۳

اسلام، پاکستان اور مغرب

O فکر و نظر

'کافر' سقراط کی سنیے — ڈاکٹر محمد امین — ۲۴

O اسلام اور مغرب

- ویلنٹائن ڈے - مردار تہذیب کی دستک — حامد کمال الدین — ۲۶
- مشال قتل کیس — مدیر — ۳۳
- نو استشراق اور اس کے مکاتبِ فکر — ڈاکٹر محمد مشتاق احمد — ۳۶

O اسلام اور پاکستان

- اصل بحران ایمانی و اخلاقی ہے — ڈاکٹر محمد امین — ۳۸
- اے علماء کرام! اپنے موقف پر ڈٹے رہیے — ۴۰
- جنسی جرائم، جدیدیت اور ہماری عدلیہ — سید خالد جامعی — ۴۲
- ۱۸۲۹ء علماء کرام کا آدھا سچ — پروفیسر طارق بٹ — ۴۸
- معاشرے سے جنسی جرائم کا سدِ باب — پروفیسر ملک محمد حسین — ۴۹

O دریچے

پڑھتا جا شرماتا جا — 'نقیب سحر' — ۵۴

O ڈائیلاگ

نقطۂ نظر — ادارہ — ۵۷

البرہان آن لائن مطالعہ کیجیے: www.ai-burhan.com

میڈیا

اسلامی تناظر میں کام کرنے کی ایک ’فوری ضرورت‘

میڈیا سے متعلق اصحاب توجہ فرمائیں

۷ فروری ۲۰۱۷ء کو مردان یونیورسٹی میں توہین رسالت کے الزام میں قتل کیے جانے والے مشال خاں کے بارے میں فیصلہ سامنے آیا جس میں ایک ملزم کو سزائے موت، پانچ کو عمر قید اور ۲۵ کو چار سال سزائے قید دی گئی جب کہ باقی ۲۶ کو ’ثبوت‘ نہ ہونے کی وجہ سے بری کر دیا گیا۔ ہم نے شام کے وقت اکثر ٹی وی چینل لگا کر دیکھے سب کے سب مشال خاں کی حمایت میں بول رہے تھے اور کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو دوسرا نقطۂ نظر پیش کرتا اور کہتا کہ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیصلہ بلکہ متعدد فیصلے یہ تھے کہ توہین رسالت کا مرتکب قابل قتل ہوتا ہے اور یہ جرم کرنے والے کے قاتل کو سزا نہیں دی جاتی۔ بلکہ مسلمان اسے غازی اور شہید کہتے ہیں جیسے ’غازی علم دین شہیدؒ‘۔ مطلب یہ کہ سارا میڈیا ’’ایک‘‘ نقطۂ نظر پیش کر رہا تھا اور ’’دوسرا‘‘ نقطۂ نظر پیش کرنے والا کوئی نہ تھا۔ جب غازی ممتاز قادری شہیدؒ نے ملعون گورنر کو قتل کیا تھا تو اس وقت بھی یہی ہوا تھا کہ ٹی وی چینلز اور اخبارات میں ’’دوسرا‘‘ نقطۂ نظر پیش کرنے والا کوئی نہ تھا۔

اس صورت حال میں فوری ضرورت اس امر کی ہے کہ ’’دوسرا‘‘ اور ’’صحیح‘‘ نقطۂ نظر دلائل کے ساتھ پیش کرنے کا کوئی پلیٹ فارم ہونا چاہیے۔ اس لیے ہم میڈیا کے ایسے حضرات سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ فوری رابطہ فرمائیں جو دو خصوصیات کے حامل ہوں: **ایک** وہ کسی خاص فقہی مسلک یا دینی سیاسی جماعت کے پرجوش مبلغ اور حامی نہ ہوں اور **دوسرے** وہ مغرب کی ملحدانہ فکر و تہذیب کے مخالف ہوں۔ ایسے چند افراد کی اگر ایک مختصر لیکن فعال ٹیم بن جائے تو مل کر کم از کم اتنے مادی وسائل اکٹھے کیے جا سکتے ہیں جن سے ’دوسرا‘ اور ’صحیح اسلامی‘ نقطۂ نظر پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا پر پیش کیا جا سکے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے لیے کروڑوں کی نہیں چند لاکھ روپوں کی ضرورت ہوگی۔ اگر کام کرنے والے ہاتھ میسر آجائیں تو اس معاشرے سے یہ ملنے مشکل ضرور ہیں، ناممکن نہیں... فحی علی الفلاح

مدیر (0300-4354673)

جدید تعلیم

پروفیسر ملک محمد حسین

پاکستان کے قومی نظامِ تعلیم کی تشکیل میں ناکامی
اسباب و وجوہات

کسی بھی قوم کا نظام تعلیم اس کے نظریہ حیات، اس کی تاریخی روایات، مقامی ثقافت اور اس کے مستقبل کے خوابوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ماضی، حال اور مستقبل کا احاطہ کرتے ہوئے کسی بھی قوم کا قومی نظامِ تعلیم اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ قومی اقدار اور معاشرے کی روایات نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں نیز عصری تقاضوں کے مطابق معاشی، سائنسی اور تکنیکی ترقی کی منازل بھی مسلسل طے ہوتی رہیں۔

پاکستان اقوامِ عالم کی برادری میں ایک منفرد قوم ہے کہ اس کی تعمیر و تشکیل کسی نسل برادری، زبان اور جغرافیہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک آفاقی نظریہ حیات کی بنیاد پر ہوئی جو اسلام کے نام سے موسوم ہے۔ اسلام جو بنی نوع انسان کا ازل سے ابد تک کا دین ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک سب پیغمبروں، رسولوں اور نبیوں نے جس دین کی تبلیغ کی اور جس کی بنیاد `ʻĺnǷ'?ṁ/ VŹǫý nǷ'ṙF"nØṙF پر ہے۔ اس منفرد قوم کا نظام تعلیم بھی منفرد ہوگا جس کی بنیاد کلمۂ توحید پر اور جس کی تعلیم کا لوازمہ قرآن حکیم اور جس میں انسانوں کے سیرت و کردار کی تشکیل اسوۂ حسنہ پر استوار ہے۔ اگر پاکستان کے مخصوص ثقافتی، جغرافیائی اور دینی ماحول کو سامنے رکھ کر اس کے قومی نظامِ تعلیم کے عناصر پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں اس کی بنیادیں ۱۹۷۳ء کے متفقہ آئین میں مل جاتی ہیں۔

۱۔ پاکستان کے آئین میں شامل قراردادِ مقاصد اور آرٹیکل 31 میں ریاست کی یہ ذمہ داری بصراحت بیان کی گئی ہے کہ کہ ریاست پاکستان کے عوام کو تعلیم و تربیت کے ذریعے اس قابل بنائے گی کہ وہ اپنی زندگی اسلام کے مطابق گزار سکیں جیسا کہ قرآن وسنت میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ آئین کا ارٹیکل 25-A پانچ سال سے سولہ سال کی عمر تک تمام لڑکوں اور لڑکیوں

کے لئے تعلیم کا حصول لازمی قرار دیتا ہے۔

۳۔ آئین کا آرٹیکل 37 تمام شہریوں کے لیے میٹرک تک مفت اور لازمی تعلیم کو یقینی بنانے کا اہتمام کرتا ہے نیز اسی آرٹیکل میں ہائیر اور ٹیکنیکل ایجوکیشن سب شہریوں کو بلا تمیز رنگ و نسل و مذہب میرٹ پر اور یکساں طور پر مہیا کرنے کو یقینی بناتا ہے۔

۴۔ آئین اردو کو بطورِ قومی زبان زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کرنے کا اعلان کرتا ہے۔

۵۔ آئین مختلف علاقوں اور مختلف طبقات میں فرق اور امتیاز کو مٹانے کے لیے اقدامات کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

٦۔ عربی کی تعلیم سب مسلمانوں کے لیے لازمی قرار دیتا ہے۔

اسلامی نظریۂ حیات کے آفاقی اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے مسلمانوں کی تعلیمی روایات جو اسلام کے آغاز سے مسلمان ملکوں پر مغربی استعماری تسلط قائم ہونے تک تسلسل کے ساتھ جاری رہیں اور مذکورہ آئینی شقوں کی روشنی میں پاکستان کے قومی نظامِ تعلیم کے جو اساسی عناصر سامنے آتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ تعلیم کا بنیادی مقصد زندگی کے اس آفاقی مقصد کا حصول ہوگا جو قرآنِ حکیم میں "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ" کے الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ نظامِ تعلیم کی بنیاد قرآن مجید ہوگا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معلمانہ رول اور پیغمبرانہ فرائض کے چار پہلو بیان کئے گئے ہیں۔ یہ چار پہلو تلاوتِ آیات، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیۂ نفس ہیں۔

۳۔ تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفس کے حوالے سے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنیادی لوازمہ فراہم کرے گا۔

۴۔ تعلیم حکمت قرآن وسنت کی روح لیے اُن شعبہ جات کی تعلیم ہوگی جن کے ذریعے سے کاروبارِ جہاں، مفادِ عامہ اور عصری تقاضوں کے مطابق اہتمامِ خشک و تر یقینی بنایا جاتا ہے۔

۵۔ جیسا کہ آئین کا آرٹیکل 31 تقاضا کرتا ہے عربی زبان کی تعلیم سب مسلمانوں کے

لیے لازمی ہوگی تاکہ عوام قران وحدیث سے براہِ راست استفادہ کرسکیں۔

۶۔ اُردو قومی اور رابطے کی زبان کی حیثیت سے تعلیمی اداروں کی زبان ہوگی اور ہر سطح کی تعلیم کا میڈیم اُردو ہوگا۔

۷۔ ہر سطح کی تعلیم بلا امتیاز سب کے لیے مفت ہوگی اور طلبہ سے کسی سطح پر کسی قسم کے مصارفِ تعلیم وصول نہیں کیے جائیں گے۔

۸۔ اساتذہ کی صلاحیت کے ساتھ صالحیت اور سیرت وکردار کا اسلامی نمونہ لازمی ہوگا۔

۹۔ تفکر، تدبر اور تعقل کے قرآنی احکامات پر مبنی تحقیقی رویہ پورے نظام تعلیم کا عموماً اور اعلیٰ تعلیم کا خصوصاً ایک لازمی جزو ہوگا۔

۱۰۔ میٹرک یا ۱۶ سال کی عمر تک کا نصاب اس طرح وضع کیا جائے گا کہ اس سطح تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہر نوجوان لڑکا اور لڑکی اپنی زندگی پوری کامیابی کے ساتھ ایک مکمل مسلمان کی حیثیت سے گزار سکے۔

۱۱۔ دیگر اقوام سے علمی استفادہ، دوسروں تک اسلام کا آفاقی پیغام پہنچانے اور اقوام عالم کے ساتھ مئوثر رابطوں کی خاطر اہم غیر ملکی زبانوں کی تعلیم بھی اس نظام تعلیم کا جزو لاینفک ہوگی۔ اہمیت اور ضروریات کے مطابق غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کا اہتمام کیا جائے گا۔

۱۲۔ تعلیم کا انتظام وانصرام اہل تعلیم اور اعلی سطح کے دانشوروں اور علماءِ کرام کے ہاتھوں میں ہوگا اور تعلیم کا انتظامی ڈھانچہ اس طرح وضع کیا جائے گا کہ وہ معاملات کو نمٹانے کے لیے سہولت اور معاونت کرے۔

۱۳۔ معیارِ تعلیم اساتذہ کے کردار اور انتظامی ڈھانچے کو درست خطوط پر رکھنے کے لیے تعلیمی محتسب کا ادارہ قائم کیا جائے گا۔ تعلیمی محتسب اعلیٰ عصری اور اسلامی علوم کا ماہر، اعلیٰ انتظامی صلاحیتوں کا مالک ایک تجربہ کار شخصیت ہوگی جس کا تقرر سپریم کورٹ کے ججز کی طرح سپریم جوڈیشنل کونسل کرے گی۔

ہم نے سطورِ بالا میں پاکستان کے قومی نظام تعلیم کے خدوخال بیان کیے ہیں۔ انہیں بہتر سے بہتر بنانے کی تدابیر کا دروازہ کھلا ہے۔ ماہرینِ تعلیم اور راہنمایانِ قوم وملت اپنے علم اور

تجربے کی روشنی میں اوپر دیے گئے خدوخال کے نتیجے میں برپا ہونے والے نظامِ تعلیم میں مزید نکھار پیدا کر سکتے ہیں۔

راقم الحروف نے جو نقشہ پیش کیا ہے وہ کوئی نیا نقشہ نہیں ہے۔ کم وبیش اسی طرح کے نکات مختلف ماہرین تعلیم، قومی اور ملی راہنما، دانشور اور تعلیمی تنظیمیں پیش کرتی رہی ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب تک ہم ان خطوط پر مبنی پاکستان کا قومی نظام تعلیم کیوں برپا نہیں کر پائے؟ اس سوال کوئی سادہ سا جواب نہیں ہے بلکہ ایسا نہ کر سکنے کے کئی اسباب ہیں۔ جن میں سے کچھ اسباب بیرونی ہیں اور کچھ اندرونی ہیں:

ہم سب سے پہلے بیرونی اسباب پر نظر ڈالیں گے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہمارا نظام تعلیم کوئی آزاد نظام تعلیم نہیں ہے بلکہ یہ دوسروں پر انحصار کرنے والا نظام تعلیم (Dependant Education System) ہے جس کے سات پہلو ہیں جو جناب فرید العطاس (پروفیسر نیشنل یونیورسٹی سنگاپور) کے مطابق یہ ہیں:

۱۔ خیالات پر انحصار ۲۔ خیالات کے ذرائع پر انحصار

۳۔ تعلیم کی ٹیکنالوجی پر انحصار

۴۔ تحقیق وتدریس کے لیے بیرونی امداد پر انحصار

۵۔ محققین کی معلومات کے مراکز میں طلب پر انحصار

۶۔ تعلیم میں سرمایہ کاری پر انحصار

۷۔ تعلیمی تحقیقی منصوبوں کی مغربی استعماری نظام کی طرف سے قدر شناسی پر انحصار

یہ سات نکات اس امر کا بخوبی احاطہ کرتے ہیں کہ ہمارا نظام تعلیم ابتدائی سطح سے اعلیٰ سطح تک کس طرح مغرب پر منحصر (West Dependant) نظام تعلیم ہے۔ ان سات عوامل کے ہوتے ہوئے کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا کہ قرآن وسنت کے مطابق پاکستان کا قومی نظام تعلیم تشکیل پا سکے گا۔ یو ایس ایڈ، ورلڈ بنک، ایشین ڈویلپمنٹ بنک، یونیسکو، یونیسف، ڈی ایف آئی ڈی (DFID) سیڈا (CIDA) اور اسی طرح کے مغربی ادارے اور این جی اوز محض گھوڑے ہیں جو مذکورہ بالا سات نکات کے لیے سواری کا کام دیتے ہیں۔ ہماری

یونیورسٹیاں مغربی استعماری تعلیم کا سب سے بڑا وسیلہ ہیں اور بد قسمتی یہ ہے کہ اسلامسٹوں کی قائم کردہ یونیورسٹیاں بھی وہی کارِ بد کر رہی ہیں جو سرکاری اور سیکولرسٹوں کی یونیورسٹیاں کر رہی ہیں۔

اب ہم آتے ہیں اندرونی اسباب کی طرف۔ ہم جن جن اندرونی اسباب کا ذکر کریں گے ان پر درجہ بدرجہ بیرونی اسباب کا ٹھپہ بھی لگا ہوا ہے کیونکہ یہ مغربی استعمار کے شکنجے میں جکڑی ہوئی غلامانہ ذہنیت ہے جو اندرونی اسباب میں نمایاں نظر آئے گی۔

اندرونی اسباب

اندرونی اسباب میں سب سے پہلے ہم تین اسٹیبلشمنٹس (Establishments) کا ذکر کریں گے جن میں ایک سول اسٹیبلشمنٹ، دوسری فوجی اسٹیبلشمنٹ اور تیسری مذہبی اسٹیبلشمنٹ ہے۔ اس وقت پاکستان کے نظام تعلیم پر سول بیوروکریسی یا سول اسٹیبلشمنٹ کا مکمل غلبہ ہے۔ ریونیو (Revenue) جمع کرنے اور امنِ عامہ برقرار رکھنے کی تربیت پا کر عوام کی تقدیر کے مالک بننے والے بیوروکریٹس تعلیمی پالیسی اور تعلیمی انتظام وانصرام پر حاوی ہیں۔ درس وتدریس اور علم وتحقیق کا تجربہ رکھنے والے ماہرین تعلیم ان بیوروکریٹس کے محض منشی بن کر رہ گئے ہیں اور اس حیثیت میں زندگی بھر جھڑکیاں کھاتے رہنا اہل علم کا مقدر بن گیا ہے۔ اب ان مالیہ اکٹھا کرنے اور امن وامان برقرار رکھنے کی مہارت رکھنے والے حضرات کے ذہن میں قومی نظام تعلیم جیسے اوق تصورات کیسے آئیں یہ ناممکن ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ بیرونی قوتوں کے مشیران کرام اپنے اپنے قومی پس منظر کے ساتھ انہیں جو کچھ سمجھاتے ہیں وہ بغیر سوچے سمجھے سیاسی قیادتوں سے منظور کرا کر نافذ کر دیتے ہیں۔ شہباز شریف جیسا تعلیم کے لیے دلی درد رکھنے والا حاکم بھی پالیسی کی سطح پر ایسی ایسی بونگیاں مارتا ہے کہ سر پیٹنے کو جی چاہتا ہے۔ سول بیوروکریسی کا جال مرکزی اور صوبائی سیکرٹیریٹ سے ضلعی سطح تک اتنا مضبوط ہے کہ اس کو توڑنا بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔

فوجی اسٹیبلشمنٹ کے اپنے طریقے ہیں جن کو کام میں لا کر وہ مغربی استعماری نظام تعلیم کی سرپرست بنی ہوئی ہے۔ آرمی سکولز، گیریزن سکولز، کیڈٹ کالجز اور اسی طرح کے تعلیمی منصوبے ہمارے مطلوبہ نظام تعلیم کی راہ میں حائل ہیں۔ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے صرف اتنا فیصلہ کیا کہ میٹرک تک تعلیم اور امتحان اردو میں ہوگا لیکن دو ہی سالوں میں ضیاء الحق

کی جرنیلی پارٹی اور جرنیلوں کی بیگمات نے اس فیصلے کا تیا پانچہ کر دیا۔ ہم نے تیسرا عامل مذہبی اسٹیبلشمنٹ کو کہا ہے جو قومی نظام تعلیم کی تشکیل میں ایک مئوثر رکاوٹ ہے۔ مسلکی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم موجودہ دینی مدارس ہماری مذہبی اسٹیبلشمنٹ کی طاقت اور اثر ورسوخ کا منبع ہیں۔ اوپر بیان کیے گئے قومی نظام تعلیم کے خدوخال کو سامنے رکھتے ہوئے یہ واضح ہے کہ اس میں مسلکی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر قائم موجودہ دینی مدارس کی کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ پاکستان کے قومی نظام تعلیم میں دین ودنیا کی تفریق پر مبنی کسی ادارے کے قائم رہنے یا ہونے کا کوئی جواز نہیں۔

ناکامی کے اندرونی اسباب میں مجوزہ قومی نظام تعلیم کا مطالبہ کرنے والی، خواہش رکھنے والی، اور کسی حد تک اس کے لیے جدوجہد کرنے والی اسلامی قوتوں کی نالائقی، کاہلی اور کسی حد تک دوغلہ پن بھی شامل ہے۔ آپ ذرا ایک دفعہ پھر پاکستان کے قومی نظام تعلیم کے مجوزہ خدوخال کو ذہن میں لائیں اور وہ جو اسلامی نظریہ حیات پر مبنی نظام تعلیم کا خواب دیکھتے ہیں اُن اسلامسٹوں کی یونیورسٹیوں، کالجز اور سکول چینز (School Chains) کا اُن کے خواب کے ساتھ موازنہ کریں تو یہ خواب اُن کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن جاتا ہے جس کے مطابق اُن کی تعلیمی بادشاہتیں ہوا میں بکھرتی نظر آتی ہیں۔ اسلامسٹ شروع سے آخر تک تین برائیوں کے خلاف کم از کم قراردادوں کی حد تک صف آرا رہے ہیں۔ ان میں ایک ہے تعلیمی تجارت، دوسرے انگلش بطور ذریعۂ تعلیم اور تیسرے مخلوط تعلیم۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے اسلامسٹ بھائیوں نے اپنے زیر کنٹرول تعلیمی اداروں میں ان تینوں برائیوں کو گلے لگا لیا ہے۔ رہ گیا نصاب تعلیم، درسی کتب اور اساتذہ کی کیفیت تو ان کا تو ذکر نہ ہی کیا جائے تو بہتر ہے۔ اس حوالے سے یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ اندرونی مزاحمتی اسباب میں ایک چوتھی اسٹیبلشمنٹ کا بھی ذکر شامل ہو جاتا ہے جسے ہم پرائیویٹ اداروں کی "اسلامی" اسٹیبلشمنٹ کہہ سکتے ہیں۔

پس چہ بائد کردہ؟

پاکستان کے قومی نظام تعلیم کی تشکیل کے لیے پہلے ایک ایک کر کے گھر کے اندر کارفرما چاروں اسٹیبلشمنٹس کو تعلیم کے میدان سے نکالا جائے بلکہ انہیں مکمل طور پر بے دخل کر دیا

جائے۔ دستور میں دیے گئے قومی نظامِ تعلیم کی بنیاد فراہم کرنے والی شقوں کو قومی تعلیمی ایکٹ کی شکل میں پارلیمنٹ سے منظور کرا کر ملک میں مجوزہ نظام تعلیم کو نافذ کیا جائے۔

یہ سب کچھ کرے گا کون؟

میری دانست میں یہ کام بنیادی طور پر اساتذہ اور طلبہ تنظیموں اور فرقہ بازی سے پاک دینی سیاسی جماعتوں کا ہے کہ وہ ضروری قانون سازی پر علمی کام بھی کریں اور پریشر گروپس کے طور پر ہیئت مقتدرہ کو بھی ضروری قانون سازی پر مجبور کریں۔ اگر مذکورہ بالا قوتیں ٹھان لیں اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر، بساکھیوں کو ایک طرف رکھتے ہوئے اور وقتی سیاسی نعرہ بازیوں سے چھٹکارا حاصل کرتے ہوئے اس ایک نکتے کو اپنی جدوجہد کا ہدف بنا لیں تو نہ صرف تعلیمی نظام درست ہو گا بلکہ معاشرہ بھی طویل المیعاد بنیادوں پر سدھار کی طرف گامزن ہو جائے گا۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

اصلاحِ تعلیم ۔نوجوان قیادت کی ضرورت

ہم نے ربع صدی پیشتر اصلاح تعلیم کا قصد کیا اور مقدور بھر اس کے لیے کوشاں رہے اور اب بھی ہماری جدوجہد جاری ہے۔ اور جب تک ہمارے پاؤں چلنے، ہاتھ قلم تھامنے اور زبان گفتگو کی قدرت رکھتی ہے، ہم یہ سفر جاری رکھیں گے، ان شاء اللہ، اور اللہ تعالیٰ سے نصرت کے امیدوار رہیں گے۔ ہماری آواز کچھ نہ کچھ لوگوں تک پہنچ رہی ہے اور جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ توفیق دیتے ہیں وہ ہماری باتوں کو سمجھ کر ان پر عمل کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ تاہم صرف ہماری بات سن لینا اور سمجھ لینا کافی نہیں بلکہ اس امر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ نوجوان اس اصلاحی کام پر کمربستہ ہوں، وہ اس کے داعی اور مبلغ بن کر اٹھیں، لوگوں کو عمل پر ابھاریں اور اسے ایک موثر تحریک بنائیں تاکہ یہ ثمر آور ہو سکے۔

مدیر

جدید تعلیم پروفیسر طارق بٹ

پنجاب میں جنسی تعلیم بذریعہ مساجد

بچوں کی نصابی کتب میں جنسی تعلیمات نہیں ہونی چاہئیں

حکومت کے حامی علماء کرام سے چند سوالات

پنجاب میں حکومت نے اپنے من پسند علماء کرام پر مشتمل ایک متحدہ علماء بورڈ بنا رکھا ہے، شہباز شریف کی حکومت کو جن معاملات میں علماء کرام کی حمایت مطلوب ہوتی ہے وہ اس بورڈ کو بھجوا دیتی ہے۔ اس کی کوئی آئینی حیثیت نہیں، نہ اس کا کوئی وزن ہے۔ یہ حکومت کا قائم کردہ ایک ادارہ ہے اور حکومت جس معاملے کو مذہبی چھتری مہیا کرنا چاہے وہ اس بورڈ کو استعمال کر لیتی ہے۔ قصور میں زینب والا واقعہ ہوا تو وزیر اعلیٰ صاحب نے اپنے تعلیمی مشیروں کی مشاورت سے یہ اعلان کیا کہ بچوں کو جنسی تشدد سے بچانے کے لیے انہیں تعلیم دی جائے گی۔ چنانچہ ٹیکسٹ بورڈ کو حکم دیا گیا اور وہ ساری جماعتوں کے لیے نصاب تیار کر رہا ہے جو غالباً اپریل میں نئے تعلیمی سال سے نافذ کر دیا جائے گا۔

اس حوالے سے ہماری ایک گزارش تو یہ ہے کہ حکومت کی طرف سے الیکٹرانک میڈیا (ٹی وی چینلز) کو جو مادر پدر آزادی دی گئی ہے اس کی وجہ سے، اور نوجوانوں اور طلبہ کو سوشل میڈیا کی غیر محدود آزادی دے کر اور جن کے پاس کمپیوٹر نہیں تھا انہیں حکومت نے فری لیپ ٹاپ دے کر، انہیں یہ موقع فراہم کر دیا ہے کہ وہ انٹرنیٹ پر جو چاہیں دیکھیں۔ چنانچہ عالمی سطح کے اعداد و شمار یہ بتاتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ پاکستانی نوجوان ننگی فلمیں دیکھتے ہیں۔ لہٰذا اسکولوں کالجوں کو جنسی تعلیم دینے کی کوئی ضرورت نہیں کہ وہ پہلے ہی یہ تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔ اور اگر بالفرض چھوٹے بچوں کو کچھ تعلیم دینی ہو تو وہ مواد اساتذہ کو دیا جانا چاہیے کہ وہ طلبہ تک منتقل کر دیں اور اسے طلبہ و طالبات کی نصابی کتاب کا حصہ ہرگز نہیں بنانا چاہیے۔

دوسری بات یہ کہ حکومت چونکہ ختم نبوت والے معاملے کو حال ہی میں بھگت چکی ہے لہٰذا اس نے اچھا کیا کہ جو مواد تیار کیا وہ توثیق کے لیے علماء کرام کو بھجوا دیا اور فضا ہموار کرنے کے

لیے متحدہ علماء بورڈ کو بھجوادیا اور بورڈ کے علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ حکومت نے بچوں کو جنسی تشدد سے محفوظ رکھنے کے لیے جو باتصویر پمفلٹ چھپوایا ہے وہ پنجاب کی ۵۳ ہزار مساجد کی مدد سے عوام میں تقسیم کیا جائے گا۔ ہمارے علم میں یہ بات نہیں آسکی کہ یہ تجویز علماء کرام کی طرف سے آئی یا بیوروکریسی کے کسی زرخیز دماغ نے سوچی اور علماء کرام سے اس پر انگوٹھا لگوالیا گیا۔ جن علماء کرام نے متحدہ علماء بورڈ میں یہ تجویز منظور کی اور وزیر اعلیٰ ہاؤس میں ہونے والے نیم سرکاری سمینار میں اس کی حمایت فرمائی، ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ جانتے ہیں کہ:

❁ میڈیا خصوصاً الیکٹرانک اور سوشل میڈیا فحاشی اور عریانی پھیلانے اور نوجوانوں کے جنسی جذبات کو مشتعل کرنے کا کام صوبائی اور مرکزی حکومت کی اشیرباد اور حمایت سے کر رہا ہے۔

❁ پاکستانی یونیورسٹیوں میں تعلیم پہلے سے مخلوط اور مغرب زدہ تھی لیکن پنجاب حکومت اسے سکول سطح پر لے آئی ہے اور نہ صرف طلبہ وطالبات کو پلاننگ سے مخلوط ماحول مہیا کیا گیا ہے بلکہ استادوں اور استانیوں کو بھی زبردستی مخلوط بنادیا گیا ہے تاکہ بدکاری اور مقدمات زنا کا ماحول پروان چڑھے۔

سکول تعلیم کو مغرب زدہ کرنے کے لیے بھی متعدد اقدامات کیے گئے ہیں مثلاً انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا، پہلی جماعت سے انگریزی کو لازمی کیا گیا۔ سکولوں میں گانے ناچنے کے پروگراموں (کنسرٹ) کو فروغ دیا گیا۔ پرائیویٹ تعلیمی اداروں کو نگرانی سے آزاد رکھا گیا جن میں سے اکثر غیر مسلم مغربی ممالک کے امتحانات دلواتے ہیں، غیر مسلم اور غیر پاکستانیوں کی لکھی ہوئی کتابیں پڑھواتے ہیں اور یوں مسلمانوں کی نئی نسل کو لبرل اور سیکولر بناتے ہیں۔

❁ لیگی حکومت خواہ مرکزی ہو خواہ صوبائی، پلاننگ سے شریعت نافذ نہ کرنے پر بضد ہے اور نہ صرف یہ بلکہ وہ مغربی فکر و تہذیب کے اصول و قدار نافذ کرنے پر مصر ہے۔

ایسی حکومت سے آپ نظام تعلیم کو اسلامی بنانے کا مطالبہ تو نہیں کرتے؟ میڈیا کو اسلامی حدود کا پابند کرنے کی بات آپ نہیں اٹھاتے؟ آپ سود ختم کرنے کا مطالبہ نہیں دہراتے؟ شریعت نافذ کرنے کا مطالبہ آپ نہیں کرتے.... اور جو حکومت مذکورہ بالا سارے غیر اسلامی اقدامات کام کر رہی ہے اس کی جنسی تعلیم کی پالیسی کو آپ مساجد کے ذریعے نافذ کرنے کے لیے کیوں جلدی دکھاتے ہیں؟

تعلیم و تحقیق　　　　ڈاکٹر محمد امین

دائرہ ہائے تحقیق (دوسری قسط)

اسلامی و عمرانی علوم میں تحقیق ۔ پی ایچ ڈی طلبہ، اساتذہ، سکالرز اور علماء کرام کی توجہ کے لیے

[تسلسل کے لیے دیکھیے اس موضوع پر البرہان کا شمارہ ستمبر و نومبر ۲۰۱۶ء، جنوری ۲۰۱۸ء]

مطالعۂ مغربی فکر و تہذیب

ہم نے اس مضمون کی ابتداء میں کہا تھا کہ اسلامی تناظر میں مطالعہ مغربی فکر و تہذیب کی چار جہتیں ہو سکتی ہیں، ۱۔ اس کی تفہیم ۲۔ اس کا تنقیدی اور تقابلی مطالعہ اور یہ طے کرنا کہ یہ قابل رد ہے یا نہیں اور اگر قابل رد ہو تو اس کی حکمت عملی طے کرنا۔ ۳۔ مغربی فکر و تہذیب کے علمبردار ممالک کی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پر امن اور جارحانہ منصوبہ بندی، تزویراتی حکمت عملی اور جدو جہد کو سمجھنا اور اس کا توڑ کرنا اور ۴۔ مغربی فکر و تہذیب کے مسلم معاشرے پر اثرات اور مسلمانوں کا اس پر ردعمل۔ پہلے دو نکات پر ہم نے پچھلے ماہ سوچ بچار کی تھی اور اس دفعہ ہم تیسرے نکتے پر غور و فکر کریں گے۔

۳۔ مغربی فکر و تہذیب کے علمبردار ممالک کی اسلام اور مسلم امہ کے خلاف حکمتِ عملی

اسلام اور مسلم امہ کو جو علمی، فکری اور عملی چیلنج اس وقت درپیش ہے وہ یہی نہیں کہ اسے ایک ایسی بالادست تہذیب کا سامنا ہے جو اپنی نہاد میں الحادی اور مذہب مخالف ہے اور اسلام سے متضاد ہے بلکہ اس کے علمبردار مغربی (خصوصاً یورپ و امریکہ اور ان کے حلیف) ممالک کا رویہ یہ ہے کہ وہ:

۱۔ دین اسلام کے دشمن ہیں اور اسے مٹانا چاہتے ہیں۔

۲۔ اسلام کے نام لیوا مسلمانوں کو تباہ و برباد کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں زیردست، مغلوب اور کنگال دیکھنا چاہتے ہیں اور انہیں دین اسلام سے دور کرنا چاہتے ہیں۔

۳۔ مسلم معاشرے میں مغربی فکر و تہذیب کا نفوذ اور نفاذ ان کا ہدف ہے تاکہ مغربی فکر و تہذب کے اصول، اقدار اور ادارے اسلامی اصول، اقدار اور اداروں کی جگہ لے لیں۔

ان مقاصد کے حصول کے لیے انہوں نے دو مراحل پر مشتمل منصوبہ بندی کی ہے:

۱۔ پر امن ۲۔ ہجومی (Offensive) یعنی بذریعہ استعمالِ قوت

پر امن حکمت عملی

اس کے نمایاں خدوخال یہ ہیں:

i۔ سیاسی حکمتِ عملی کے اہداف اور طریق کار

۔ مسلم حکمران ان کی مرضی اور پسند کے ہوں جو ان کی ترجیحات اور اہداف کے لیے کام کریں۔ مغربی فکر و تہذیب کے رسیا ہوں، اسے ہی دنیا میں ترقی کا واحد اور بہتر نمونہ سمجھتے ہوں اور اسے ہی مسلم معاشرے اور ریاست میں رائج اور نافذ کرنا چاہتے ہوں۔

۔ اس غرض کے لیے فوجی افسروں کی تربیت امریکہ و یورپی ممالک میں کی جاتی ہے جہاں ان کی خفیہ ایجنسیاں ان کو واپسی پر عہدے، پروموشن، مفید اور پیدا آور عہدوں پر پوسٹنگ (تاکہ وہ ناجائز فائدے اٹھا کر کرپٹ ہو جائیں)، اولاد کی مغربی ممالک میں تعلیم اور اس کا خرچہ برداشت کرنا.... جیسے لالچ دے کر 'پھنسا' لیتی ہیں اور مستقبل میں ان سے کام لیتی ہیں۔

۔ اہل مغرب نے جدید ترین ٹیکنالوجی پر مشتمل وسیع پروپیگنڈا مشیزی کے ذریعے اپنی 'جمہوریت' کو ایک سیاسی نظریے کی بجائے ایک ''عقیدہ'' بنا کر اور اسے تقدس عطا کر کے اس طرح دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ کوئی اس 'روحِ عصر' کی مخالفت نہ کر سکے اور اسے ہر کوئی (خصوصاً مسلم ممالک) اپنانے پر مجبور ہو جائیں۔

جمہوریت کے نام پر مغربی طریق انتخاب کو مروج کرانا اور اس میں عورتوں اور غیر مسلم اقلیتوں کو التزاماً حصہ دلوانا تاکہ خرابیوں کو راہ ملے۔

۔ مسلم دنیا میں اپنی مرضی کے حکمران لانے کے لیے (جو اس کی ترجیحات اور پالیسیوں کے مطابق کام کریں) مغرب جمہوریت، اکثریت اور منصفانہ انتخابات جیسے کسی اصول کی پروا نہیں کرتا بلکہ فوجی حکمرانوں اور سیاسی آمروں کو بھی خوش آمدید کہتا ہے جس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

۔ مقامی حکمرانوں کے ذریعے کسی اسلامی جماعت کو مضبوط نہ ہونے دیا جائے اور اسے

انتخابات نہ جیتنے دیے جائیں۔ اور اگر وہ کسی طرح جیت جائے تو فوج سے بغاوت کرا کر اس کی حکومت ختم کرا دینا۔

۔ مسلم حکومتوں میں اکھاڑ پچھاڑ جاری رکھی جائے تاکہ کوئی مسلمان ملک سیاسی استحکام نہ حاصل کر سکے اور ترقی کی راہ پر نہ چل پڑے۔

۔ 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کے اصول پر عمل کرنا۔ سیاسی جماعتوں کو آپس میں لڑانا، دینی اور سیاسی جماعتوں کو باہم لڑانا، سیاسی جماعتوں اور فوج کو آپس میں لڑانا، سیاستدانوں اور عدلیہ کو باہم لڑانا، بلکہ ہر سیاسی جماعت کو گروپوں میں تقسیم کرنا تاکہ وہ کمزور ہو جائے اور اس طرح اپنی مرضی کی حکومتیں لائی جاسکیں اور ان سے اپنی مرضی کے کام کرائے جاسکیں۔

ii۔ معاشی حکمت عملی اور اہداف

۔ مسلم ممالک کو معاشی طور پر کمزور رکھنا تاکہ وہ مغرب کے دست نگر، محتاج و مغلوب رہیں اور اس کے آگے دم نہ مار سکیں۔

۔ مسلم ممالک کو آئی ایم ایف، ورلڈ بنک اور ڈبلیوٹی او (WTO) ایسے اداروں کے ذریعے سودی قرضوں کے جال میں جکڑنا۔

۔ مسلم حکمرانوں کو سودی قرض اور بعض اوقات امداد دینا، پھر ان کو اللّوں تللّوں پر اکسانا، کروڑوں اربوں کے سودوں میں انہیں کمشن اور کک بیکس دینا۔ نیز ناجائز دولت مغربی بینکوں میں رکھنے کی ترغیب دینا اور اس طرح انہیں کرپشن کی چاٹ لگانا۔

۔ مسلم ممالک کی کرنسی کو ڈالر (یا پھر یورو) سے منسلک رکھنا خود ان کی ایک کرنسی نہ بننے دینا۔

۔ مسلم ممالک میں وزرائے مالیات و تجارت اپنی مرضی کے لگوانا اور ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف سے اپنے تربیت یافتہ لوگوں کو ان عہدوں پر بھجوانا۔

۔ مسلم ممالک کو ہیوی انڈسٹری اور جدید ترین ٹیکنالوجی کے کارخانے نہ لگانے دینا تاکہ وہ خود کفیل نہ ہو جائیں بلکہ انہیں ہمیشہ خریدار (End-consumer) رکھنا اور خام مال ان سے خریدنا تاکہ وہ ہمیشہ درآمد کنندگان رہیں برآمد کنندگان نہ بن سکیں اور اس طرح ان کا زرمبادلہ خرچ ہوتا رہے۔ درآمد، برآمد سے زیادہ رہے اور وہ معاشی طور پر کمزور رہیں۔

۔ انہیں سودی قرضوں میں جکڑنا اور کوشش کرنا کہ وہ قرضے غیر پیداواری شعبوں میں خرچ ہوں تاکہ وہ اپنا بجٹ سود واپس کرنے میں خرچ کرتے رہیں اور ترقیاتی کام نہ کرسکیں۔

۔ مسلمان حکومتوں کو اپنے داخلی معاملات میں بھی سود نہ ختم کرنے دینا تاکہ وہ سود کے عذاب میں مبتلا رہیں۔

iii۔ مذہبی پالیسی اور اہداف

i۔ مسلمانوں کو دین اسلام سے دور کرنے کے لیے ہر شعبہ حیات: سیاسی، معاشی، حربی خصوصاً تعلیمی وابلاغی اور مذہبی امور میں مداخلت کرنا اور من پسند پالیسیاں بنوانا۔

ii۔ مسلمانوں کو ہیومنزم، سیکولرزم اور لبرل ازم کی اقدار دے کر انہیں اسلامی نظام حیات کے متبادل کے طور پر پیش کرنا اور ان کو ایجنٹ مسلم حکمرانوں اور حکومتی و پرائیویٹ اداروں کے ذریعے مسلم معاشروں میں نافذ کرانا۔

iii۔ کسی ملک میں شریعت نافذ نہ ہونے دینا اور مذہبی گروپوں اور دینی جماعتوں کے دباؤ سے اسلامی قوانین بن جائیں تو ان پر عمل درآمد نہ ہونے دینا جیسے پاکستان میں حدود قوانین ۱۹۷۹ء سے نافذ ہیں لیکن کسی حد پر آج تک عمل نہیں ہوا۔

۔قرآن حکیم کو نظام تعلیم کا جزو نہ بننے دینا۔جعلی قرآن مجید بنا کر چھاپنا۔قرآن مجید کو دہشت گردی کا ماخذ قرار دے کر اسے جلانا۔قراءات کو بہانہ بنا کر قرآن کو محرف ثابت کرنا...وغیرہ۔

۔ مسلمانوں کو نبی کریم ﷺ کی محبت سے برگشتہ کرنے کے لیے اقدامات کرنا جیسے احادیث کو جعلی ثابت کرنا کہ کئی صدیوں بعد مدون ہوئی ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی توہین کرنا، ان کے کارٹون چھاپنا، مغرب زدہ بدبخت مسلمانوں سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کتابیں لکھوانا اور چھپوانا اور ان کو مغربی ممالک میں پناہ اور سہولتیں دینا۔ایسی حرکتوں سے مسلمانوں کو مشتعل کر کے اور ان سے مظاہرے، ریلیاں، دھرنے، توڑ پھوڑ کرا کے انہیں دہشت گرد قرار دینا اور انہیں مذہبی رواداری کے درس دینا۔

۔ کسی مسلمان ملک میں توہین رسالت کا قانون نہ بننے دینا، بن جائے تو اس پر عمل نہ ہونے دینا اور اسے غیر موثر بنانے کی کوشش کرنا۔ جو توہین رسالت کرے اسے سزا نہ ہونے

دینا اور اسے مغربی ملکوں میں پناہ دینا۔ اگر کوئی مسلمان کسی شاتم رسول کو قتل کر دے تو اسے فوراً سزا دلوانا اور اسے انتہا پسندی اور دہشت گردی قرار دینا۔

۔ انٹرتھ ڈائیلاگ کے نام پر مسلمانوں کو الجھانا، دہشت گردی اور انتہا پسندی کے الزامات کی وجہ سے انہیں مدافعتی پوزیشن اختیار کرنے پر مجبور کرنا۔

iv۔ تعلیمی امور

۔ مخلوط تعلیم کو رواج دینا تا کہ نوجوانوں کے اخلاق بگڑ جائیں۔

۔ پری سکول کو مروج کرنا تا کہ بچے ماں باپ اور گھر کی روایتی مذہبی تعلیم و تربیت اور اقدار سے محروم ہو جائیں اور سکول میں آ کر مغرب کی طے کردہ تعلیمی و نصابی ترجیحات کے مطابق تعلیم و تربیت پائیں۔

۔ ذریعۂ تعلیم انگریزی رکھنا اور پہلی جماعت سے انگریزی لازمی کرنا تا کہ انگریزی زبان کے ذریعے طلبہ کو مغربی فکر و تہذیب اور اس کے اصول و اقدار کی تربیت دی جا سکے۔

۔ اساتذہ کی تعلیم و تربیت کو فنی اور پروفیشنل سطح تک محدود رکھنا جیسے اسباق کی تیاری اور پڑھانے کے طریقے، اور اسلامی اور اخلاقی تربیت کا موضوع نصاب میں شامل ہی نہ ہونے دینا۔

۔ مغربی یونیورسٹیوں اور اداروں کے امتحان دلوانے کا رواج ڈالنا جیسے او اور اے لیول، سپلٹ ڈگری پروگرام، مغربی یونیورسٹیوں میں اعلیٰ تعلیم کے لیے اسکالرشپ آفر کرنا، پوسٹ ڈاکٹریٹ وغیرہ۔

۔ غیر ملکی اور غیر مسلم مصنفین کی کتابیں اور غیر ملکی ناشروں کی کتب کو مسلمان ملکوں میں مروج کرنا۔

۔ تعلیم کو مرکزی حکومت کے دائرہ اختیار سے نکال کر صوبوں کو دینا تا کہ ملک میں یکساں نصاب رائج نہ ہو سکے اور معاشرے میں سماجی اور فکری ہم آہنگی پروان نہ چڑھ سکے۔

۔ سکولوں میں غیر ملکی (یورپ و امریکہ کی) یونیفارم مروج کرانا، بچیوں کو ننگے سر رہنے اور وی (V) کی پٹی لٹکانے کا عادی بنانا۔ سکولوں میں میوزک کی کلاس رکھنا، سوئمنگ پول بنانا اور لڑکوں لڑکیوں کے عریاں لباس میں وہاں نہانے کے پریڈ رکھنا۔ سالانہ کھیلوں کے نام پر مسلمان طالبات کو ڈانس سکھانا، کنسرٹ کے نام پر گانے اور پرفارم کرنے والے اور والی اداکاروں اور

صدا کاروں کو سکولوں کالجوں میں مدعو کرنا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کو مخلوط پکنک پر لے جانا وغیرہ۔

۔ سکولوں کالجوں میں نماز کے لیے مسجد اور وضو کا انتظام نہ ہونا۔

۔ ہوسٹلوں میں شراب نوشی، مخلوط اجتماعات اور زنا کی آزادی۔

v۔ عالمی امور

۔ مسلمانوں کو انجمن اقوام متحدہ (یو این او) کے اہم اداروں جیسے سیکورٹی کونسل میں جگہ نہ دینا جبکہ چند مغربی اور بڑے ممالک کو وہاں مسلمانوں کے امور کے بارے میں ویٹو پاور حاصل ہے۔ یو این او میں اصلاحات کی بات کی جا رہی ہے لیکن اس کے لیے کوئی تیار نہیں کہ پونے دو ارب مسلمانوں کی سیکورٹی کونسل میں نمائندگی ہو۔

۔ مسلمانوں پر انتہا پسندی اور دہشت گردی کے الزامات لگا کر ان کے لیے ایسا ماحول پیدا کرنا کہ وہ اسلام اور اسلامی تعلیمات کے لیے مدافعانہ اور معذرت خواہانہ رویہ اختیار کریں اور پھر یو این او کے تمام قوانین اور چارٹرز پر دستخط کریں مثلاً بنیادی انسانی حقوق کے چارٹر پر سب مسلم ممالک نے دستخط کیے ہیں حالانکہ اس کی بہت سی دفعات خلاف اسلام ہیں جیسے ہر شخص کو کسی مذہبی یا جنسی تفریق کے بغیر شادی کی اجازت، بغیر نکاح اکٹھے رہنے کا حق وغیرہ۔

۔ اسی طرح عالمی سطح پر عورتوں کے حقوق کے نام پر انہیں زنا اور جسم فروشی کی اجازت، بغیر نکاح اکٹھے رہنے کی اجازت، اولاد نہ پیدا کرنے کا حق، مردوں کے ساتھ ہر معاملے میں مساوات، خاوند کا حقِ مباشرت عورت کی مرضی پر موقوف ہونا، عورت کو طلاق کا حق دینا وغیرہ۔ یہ سب چیزیں مسلم معاشروں پر عالمی خواتین کمشنوں اور کنونشنوں کے ذریعے مسلط کی جا رہی ہیں۔

۔ گلوبلائزیشن، نیو ورلڈ آرڈر، ڈبلیو ٹی او، یونیسکو، یونیسیف وغیرہ کے ذریعے مغربی افکار و اقدار کو ساری دنیا خصوصاً مسلم ممالک میں رائج کرنا۔

۔ مسلمانوں کی آبادی کو کم کرنا بھی مغربی اقوام کا ہدف ہے۔ اس کے لیے یہودی فرمیں برتھ کنٹرول کے آلات فری اور آسان قیمت پر دیتی ہیں بلکہ کنٹرول آبادی کے ادارے اور پروجیکٹوں کی مالی امداد کرتی ہیں اور ’’بچے دو ہی اچھے‘‘ کے نعرے تخلیق کرتی ہیں تاکہ مسلمانوں کی آبادی نہ بڑھے اور مغرب کے لیے خطرہ نہ بنے۔

vi۔ ثقافتی وابلاغی اہداف وطریق کار

- ابلاغ عامہ کی جدید ترین ٹیکنالوجی مسلم ممالک کو مہیا کرنا۔

- الیکٹرانک میڈیا کو حکومتی کنٹرول سے نکال کر انہیں پرائیویٹائز کرنا اوران پر ایمانی ،اخلاقی اوراسلامی اقدار کی پاسداری کی کوئی قدغن نہ لگنے دینا۔کوئی ضابطۂ اخلاق نہ بننے دینا، بن جائے تواس پر عمل نہ ہونے دینا۔

- الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے فحاشی وعریانی اوررقص وسرود کو عام کرنا،نوجوانوں کے جذبات کو مشتعل کرنا، خاندانی قدروں کو پامال کرنا اور جب کرپشن اورجنسی جرائم ہوں تو انہیں نمک مرچ لگا کر خوب نمایاں کرنا تاکہ اس کے برے اثرات معاشرے پر مستحکم ہوں۔

- موبائل ٹیلیفون کوسستا اور عام کرنا، اس کی سم (Sim) کے حصول پر کوئی پابندی نہ لگانا اور اسے فری تقسیم کرنا۔ موبائل میں فوٹو لینے، ریکارڈ کرنے جیسی بہت سی سہولیات مہیا کرنا۔نوجوانوں کورات کے فری یا سستے پیکج دینا تاکہ ان کے اخلاق خراب ہوں۔

- سوشل میڈیا کو مروج کرنا اوران کی پہنچ تک کوئی پابندی نہ لگنے دینا۔ چنانچہ ایک سروے کے مطابق اس وقت پاکستانی نوجوان دنیا میں سب سے زیادہ ننگی ویب سائٹس دیکھتے ہیں لیکن کسی حکومت کو اس کی پروانہیں۔حکومت تو چھوڑ کسی دینی جماعت اوراصلاحی تنظیم نے آج تک اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی اوراس کے تدارک کی مہم نہیں چلائی حالانکہ سعودی عرب کے علاوہ خودمغربی ممالک میں بچوں اورنوجوانوں پر بعض پابندیاں لگائی جاتی ہیں۔

- پرنٹ ، الیکٹرانک اورسوشل میڈیا غیر رسمی تعلیم کے بہت بڑے ادارے ہیں۔ انہوں نے رسمی تعلیمی اداروں اور خاندانی نظام کو تباہ کرنے اور انہیں غیر موثر بنانے میں اہم کردارادا کیا ہے۔ پاکستانی تجربے کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ دینی جماعتوں اوراداروں نے پچھلے ستر سال میں مسلمانوں کی تربیت کے لیے جو کام کیا تھا اسے میڈیا کے اداروں نے پچھلے دس سال میں ادھیڑ کے رکھ دیا ہے۔

- میڈیا کی اسی اہمیت کی وجہ سے مغرب (خصوصاً امریکہ ویورپ) ہر مسلمان ملک کے میڈیا میں سرمایہ کاری کرتا ہے اورایسے پروڈیوسرز اوراینکر پرسنز کو پروموٹ کیا جاتا ہے جو

مغرب کے غیر اسلامی ایجنڈے کو میڈیا پر آگے بڑھائیں اور اسلامی ترجیحات کو پس پشت ڈالیں چنانچہ پاکستانی میڈیا منفی پروگرام تو سارے دکھاتا ہے لیکن قوم کی اسلامی واخلاقی تربیت کے لیے اس کے ہاں کوئی گنجائش نہیں۔ اور دین ومذہب کے لیے کام کرنے کی اجازت دینی ہو تو مسلک پرستوں کو دی جاتی ہے جو قوم کو تقسیم کرتے اور فرقہ واریت اور مسلک پرستی پھیلا کر منفی خدمات سرانجام دیتے ہیں۔

- اپنی ناقص فکر اور حکمت عملی کی وجہ سے دینی قوتوں کو ابلاغی شعبے میں اصلاحی وتعمیری کام کرنے کی ہوش نہیں اور نہ وہ میڈیا کے منفی کام کو روکنے کی کوئی فعال کوشش کر رہے ہیں۔

vii۔ معاشرتی اہداف وطریق کار

تعلیم، میڈیا، ادب، جمہوریت وغیرہ کے ذریعے:

- معاشرے کو دین سے دور کرنا۔ غیر اسلامی رسوم ورواج کی حوصلہ افزائی کرنا۔ فحاشی، عریانی اور زنا کو رواج دینا۔ - خاندانی نظام کو کمزور کرنا
- آزادی کے نام پر لڑکیوں کو گھروں سے فرار ہو کر مردوں سے عشقیہ نکاح کرنے کی ترغیب دینا۔
- عورتوں کو ملازمتیں دلوا کر انہیں گھروں سے نکالنا اور بچوں کو تربیت سے محروم رکھنا۔
- غیر شرعی طریقوں سے عدالتوں کے ذریعے خلع اور فسخ نکاح کرانا۔
- غربت کی وجہ سے بچوں کا تعلیم حاصل نہ کر سکنا۔
- اولڈ ہوم بنانا اور بچوں کا والدین کی عزت وخدمت نہ کرنا۔

مسلمان معاشروں اور حکومتوں کے خلاف مغرب کی پر امن منصوبہ بند سازشوں کا ایک اجمالی تذکرہ ہم نے سطور بالا میں کیا ہے (حصر نہیں) جس سے یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ مغربی فکر وتہذیب کے علم بردار ممالک کس طرح مسلمانوں کو اسلام پر عمل سے دور رکھنے اور انہیں مغربی اصول واقدار پر چلانے کے واضح اور تفصیلی پروگرام رکھتے ہیں اور ان پر تندہی سے عمل کر رہے ہیں۔

یہاں ہم اپنے قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہیں گے کہ مذکورہ بالا میں سے ہر نکتے اور ہر جزیئے پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کا تھیسز لکھا جا سکتا ہے اور لکھا جانا چاہیے۔ (جاری ہے)

دینی مدارس مولانا خلیل الرحمن چشتی[۱]

دینی مدارس میں طلبہ پر تشدد

دینی مدارس میں تشدد کا رجحان عام ہے۔ جو استاد مار کھا کے آتے ہیں، وہ گن گن کر اپنے طلبہ سے سو دو سو گنا زیادہ بدلہ لیتے ہیں۔ وہ صدقِ دل سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کارِ ثواب ہے۔

اسلام آباد کی ایک مسجد میں پچھلے سال مَیں نے یہ منظر دیکھا اور کانپ کر رہ گیا۔ پیٹتے پیٹتے موصوف چلّا رہے تھے ''لوگ تمہیں کس لیے چندہ دیتے ہیں؟ پڑھو، یاد کرو''۔ میں نے الگ لے جا کر سمجھانے کی کوشش کی.... لیکن وہ مولوی صاحب ہی کیا، جو غلطی مان لیں؟ حفظِ قرآن کا تکبر، اللہ اکبر! کون کسی کو خاطر میں لاتا ہے؟

ان لوگوں کی رائے سے اختلاف کرنے کو جی چاہتا ہے جو کہتے ہیں کہ تبلیغ اور تصوف سے وابستہ افراد میں جسمانی تشدد کا رجحان کم ہوتا ہے۔ حضرت تھانوی کے ایک مشہور خلیفہ تھے۔ ان کے مرید ایک بڑے عالم دین کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں۔ تپتی ہوئی ریت میں درخت کے کٹے ہوئے تنے کے ساتھ چھوٹے چھوٹے بچوں کو زنجیروں سے باندھ دیا کرتے تھے۔ پیری مریدی بھی تھی، دیوبندیت بھی تھی، اہتمام حفظ بھی تھا اور اس قسم کا تشدد بھی۔ یہ تو بھارت کا میرا اپنا چشم دید واقعہ ہے۔

اب اسلام آباد کا ذاتی واقعہ سنیے۔ کشمیر سے تعلق رکھنے والے ایک استاد نے میرے بیٹے کو لوہے کے اسکیل (Scale) سے دور سے مارا، آنکھ ضائع ہونے سے بال بال بچی۔ آنکھ کے نیچے زخم آیا۔ دوسری مرتبہ اسی حدیدی اسکیل سے انہوں نے ہاتھ پر دور سے مارا۔ وہ لہو لہان ہوگیا۔ تین پاروں کے حفظ کے بعد اس نے مزید پڑھنے سے انکار کر دیا۔ میں نے مولوی صاحب کو وارننگ دی کہ اگلی دفعہ کسی اور کے لڑکے کو زخم لگاؤ گے تو تمہارے خلاف ایف آئی آر (FIR) درج کراؤں گا اور والدین سے کہہ کر قصاص کا مطالبہ کروں گا۔ والجروح قصاص. زخم کے بدلے زخم۔ مولوی صاحب کہاں ماننے والے تھے۔ کہنے لگے: یہ آیت ہماری مار کے بارے میں نہیں ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۲۵)

[۱] اسلام آباد

تزکیۂ نفس

محبت

سُنا تھا ہم نے لوگوں سے
محبت چیز ایسی ہے
چُھپائے چھُپ نہیں سکتی
دبائے دب نہیں سکتی
یہ چہرے سے جھلکتی ہے
یہ لہجے میں مہکتی ہے
یہ آنکھوں میں چمکتی ہے
یہ راتوں کو جگاتی ہے
یہ آنکھوں کو رُلاتی ہے
مگر، یہ سب اگر سچ ہے تو اے لوگو!
تمہیں اللہ سے بھلا کیسی محبت ہے!
نہ چہروں سے جھلکتی ہے
نہ لہجوں میں مہکتی ہے
نہ آنکھوں کو رُلاتی ہے
نہ راتوں کو جگاتی ہے
بتاؤ یہ تمہیں اللہ سے بھلا کیسی محبت ہے؟
بھلا کیسی محبت ہے؟

فکر و نظر مدیر

'کافر' سقراط کی سنیے

ہم جیسے لوگ صرف سانحۂ قصور اور زینب پر نہیں روتے.... کہ اس سے اگلے دن خبر آ گئی کہ راولپنڈی میں ایک باپ نے ۱۵ سالہ بیٹی سے منہ کالا کیا۔ اور پھر پے در پے واقعات.... کسی دن کا کوئی سا اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ چار چھ خبریں اس عنوان سے ضرور مل جائیں گی۔

جب سے ابلیس نے سمجھا کہ اس نے پالا مارا کہ لوگوں کو حیوان بنانے کی چھٹی اسے ملی، کچھ بگڑے نفوس اس کار سیاہ میں مبتلا ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن یہ وہ لوگ ہوتے تھے جو جذبات جوانی کے ہاتھوں اندھے ہو جاتے تھے۔ اور ان کے شریک یا شکار بھی ان کے ہم سن ہوتے تھے۔ یہ اندھیر کسی نے نہ دیکھا کہ تین چار سال کی بچیاں....اور کس سے مخفی ہے کہ اس کے سبب دو ہیں: نفسی و جنسی مریضوں جیسی بھیانک تلذذ پرستی کہ Hedonism (تحریک لذت پرستی) اس پر شرما جائے۔ اور دوسرے عبدالدرھم والدینار والا معاملہ کہ اس کار سیاہ کی فلمیں تیار کر کے انہیں یورپ و امریکہ کی کالی دنیا کے بیوپاریوں کے ہاتھوں بیچ کر ڈالر کمائے جائیں.... اور ہماری اشرافیہ اور ہماری پولیس اس کار سیاہ کی حصہ دار اور سرپرست ہو۔ ہمارے سر پر آسمان نہ ٹوٹ پڑے تو ربّ رحمن ورحیم کی مہربانی۔

اور اس سب کے باوجود اس معاشرے میں دین کے علم بردار یہ ماننے کو تیار نہیں کہ انہوں نے سارے کام کیے ہیں ایک انسان سازی کا کام نہیں کیا۔ بہت کچھ کیا ہے لیکن تعمیر واصلاحِ فرد کا کام نہیں کیا اور وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اصل بحران ایمان واخلاق کا بحران ہے۔

چلیے! ہم نے آپ کی دلیل سن لی کہ اس معاشرے میں بیسیوں دینی سیاسی جماعتیں دن رات متحرک ہیں۔ اتنی بڑی بڑی دعوتی و اصلاحی تنظیمیں ہیں کہ حج کے عالم گیر اجتماع کو شرماتی ہیں۔ ہزاروں دینی مدارس قال اللہ وقال الرسول میں مصروف رہتے ہیں اور لاکھوں مساجد کے منبر ومحراب دن رات اللہ اکبر کی صداؤں سے گونجتے ہیں اور ہر ہفتے درس قرآن کی لاکھوں مجلسیں سجتی ہیں.... لیکن کوئی نہیں سوچتا کہ یہ سب کام غیر موثر کیوں ہیں؟

آپ قرآن کی دانش برہانی پر غور نہیں کرتے، نہیں کرسکتے تو کافر سقراط ہی کی سن لیں جو جانتا تھا اور کہتا تھا کہ وہ کچھ نہیں جانتا....لیکن آپ یہ جاننے کو تیار نہیں کہ آپ کچھ نہیں جانتے، یہ بھی نہیں کہ آپ کا کام غیر موثر کیوں ہے؟

ہماری سنیے! یہ قصور کی زینب....اور اس گلتے سڑتے بدبو دیتے معاشرے کے ایمانی واخلاقی بحران سے بھی بڑا بحران یہ ہے کہ آپ اس قوم کے دینی رہبر ہیں اور آپ نہیں جانتے کہ آپ کا کام غیر موثر ہے؟ اور آپ نہیں سوچتے کہ آپ کا کام کیوں غیر موثر ہے؟

بقیہ: دینی مدارس میں طلبہ پر تشدد

اسلام آباد ہی کے ایک مدرسۂ حفظ کا میں بھی مشیر تھا۔ ۱۹۹۲ء کی بات ہے۔ ہم نے 3000 کی بجائے 6000 روپے تنخواہ رکھی لیکن ساتھ میں جرمانہ کی شرط رکھی۔ ایک مار پر 1000 روپے جرمانہ اور ایک گالی پر 500 روپے جرمانہ۔ ملازمت چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ جرمانے کے باوجود وہ مار اور ننگی گالیوں سے باز نہ آتے۔ ایک بیسویں گریڈ کے وفاقی سیکریٹری تھے، ان کے بچے کو بھی نہ چھوڑا۔ شکر کیجے وہ رامپوری مہذب و شریف آدمی تھے ورنہ مولوی صاحب کو اڈیالہ جیل پہنچا کر رہتے۔

خادم رضوی ہوں یا خادم قاسمی۔ خادم مدنی ہوں یا خادم سلفی۔ دامت برکاتہ ہوں یا حفظہ اللہ۔ جماعت اسلامی کا مدرسہ ہو یا کسی اور کا۔ تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے۔ بدزبانی سی بدزبانی ہے۔ کیا تزکیہ اور تصوف لفظ رہ گئے ہیں اور مضمون اڑ گئے ہیں؟ ہماری رائے میں اس سلسلے میں قانون سازی کی ضرورت ہے۔ دینی مدارس مشترکہ طور پر خود ہی ایک ضابطہ اخلاق طے کرلیں اور اس پر عمل درآمد کو یقینی بنائیں ورنہ ان کے لیے سیکولر افراد کو قانون سازی کرنا پڑے گی۔

اسلام اور مغرب

حامد کمال الدین

ویلنٹائن ڈے۔ مردار تہذیب کی دستک

ویلنٹائن پر ایک انگریزی جریدے کا ’پول‘

’ویلنٹائن‘ وغیرہ اشیاء چند عشرے پیشتر یہاں کسی نگاہِ غلط انداز کے قابل بھی شاید نہیں تھیں۔ ان کا خالی ذکر ہونا قدروں پر ایمان رکھنے والے ایک مسلم معاشرے کے لیے معیوب ہوتا۔ کسے پڑی تھی کہ پرائی قوم کی تلچھٹ چھانتا پھرے۔ مگر اب آپ نے دیکھ لیا ایک آفت تھی جو مشکل سے ٹلی۔ وہ بھی ہائی کورٹ کے ایک جج کے فیصلہ نے یہ سارا پانسہ پلٹ دیا، ورنہ آپ دیکھتے کیا منظر ہوتا۔ (پوری قوم فاضل جج کے اس فیصلے کی ممنون بے شک ہے)۔ خود آپ کا ’آگہی بخش‘ میڈیا ایک بڑی حد تک قانون کا پابند ہے حیاء کا نہیں، سو قانون کے دم سے خیر رہ گئی۔

قدروں کے حوالے سے قانون کا حرکت میں آنا بے شک مطلوب ہے، مگر یہ معاشرے کے حق میں الارمنگ بھی ہے، خصوصاً اگر وہ اس بڑی سطح پر ہو۔ قدروں کے تحفظ کے معاملہ میں آپ جانتے ہیں ’’قانون‘‘ آپ کی آخری ڈیفنس لائن ہوتی ہے۔ جس کا مطلب ہے آپ کی بہت سی ڈیفنس لائنیں درہم برہم ہو چکیں۔ پھر جبکہ یہ قانون کا سہارا ابھی کچھ ایسا پائیدار نہ ہو! آئین میں جو کچھ بھی ہے، اور وہ بے شک بڑا واضح ہے کہ اس ملک میں لوگوں کو اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے قابل بنانا ریاست کی باقاعدہ ذمہ داری ہے، لیکن سب جانتے ہیں، آئین کا پالیسیوں اور فیصلوں میں ڈھل جانا یہاں کیسا ایک مشکل اور نایاب واقعہ ہے۔

اس سے زیادہ امید افزا بات ایک حوالے سے میری نظر میں لبرلزم کی جانب مائل ایک انگریزی جریدے کی مایوسی ہے، جس نے اسلام آباد ہائی کورٹ کا فیصلہ بیچ چوراہے کے ’پولنگ‘ کے لیے لا دھرا تھا کہ آیا آپ اس کی تائید کرتے ہیں یا نہیں؟ مجھے ذرہ شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ ایک شدید حد تک اسلام پسند اور اقدار پرست معاشرہ ہے، پھر بھی اس انگریزی جریدے کے ’پول‘ کا نتیجہ ویلنٹائن پر پابندی کے خلاف آتا تو میرے لیے باعثِ تعجب نہ ہوتا۔ اس لیے کہ انگریزی پڑھنے والا طبقہ اس اسلام پسند اور اقدار پرست معاشرے کا نمائندہ طبقہ بالعموم نہیں ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ انگریزی دان طبقے میں سے قدروں پر ایمان رکھنے والے لوگ زیادہ تر ’اپنے کام سے کام رکھنے‘ والے ثابت ہوئے ہیں جو ’پولز‘ وغیرہ کو کسی

تہذیبی کشمکش کے طور پر لینے کا تردد کم ہی کرتے ہیں۔ جبکہ 'میڈیائی چابک دستی' کا حامل طبقہ بالعموم وہی ہے جو یہاں لبرل ایجنڈا کی نوکری پر مامور ہے۔ لہٰذا ایک انگریزی جریدے کا پول اگر 'لبرل' اھواء کے حق میں نکل آتا تو میرے لیے یہ کوئی انہونی خبر نہ ہوتی۔ نہ ہی یہ اس بات کی غماز ہوتی کہ پاکستان کی اکثریت اس وقت لبرل رجحانات سے متاثر ہے۔ تاہم یہ ایک نہایت خوش گوار خبر ہونے کے ساتھ ساتھ میرے لیے حیران کن تھی۔ انگریزی اخبار پر پہنچ کر رائے دینے والا طبقہ اس بھاری اکثریت کے ساتھ اگر یہ فیصلہ سنا رہا ہے کہ پاکستان میں ایسی خرافات کی کوئی گنجائش نہیں تو معاشرے کی عام اکثریت تو ان شاءاللہ کہیں بڑھ کر یہ فیصلہ سنانے والی ہوگی۔ اور وہاں تو 'سترہ فیصد' کیا ایک عشاریہ سات فیصدی بھی اس کے خلاف نہ جاتی۔ حق بھی یہی ہے کہ بہت سے مواقع پر ہم نے اپنی آنکھوں دیکھا، کسی لبرل قضیے کے حق میں جلوس نکالنے والے پلے کارڈ بردار مرد اور عورتیں چند درجن سے تجاوز نہیں کر رہے ہوتے اور صرف میڈیا کے کرشمے سے 'خبر' کے درجے کو پہنچتے ہیں۔ کیا یہ حیران کن نہیں کہ میڈیا میں ان حضرات کو یدِ طولیٰ حاصل ہونے کے باوجود عوام کی سطح پر ان کے ایجنڈا کو کوئی پزیرائی نہیں؟ میں چاہوں گا کہ ہمارے اسلام پسند اور قدروں کے محافظ طبقے اپنی اس اصل طاقت کا اندازہ کریں اور اس کے مطابق کوئی لائحۂ عمل وضع کریں۔ یہاں صرف ایک ابلاغی حکمت عملی سامنے لانے کی ضرورت ہے، جو کہ اس وقت ہم نہیں لا رہے، باقی سب سماجی عوامل اللہ کے فضل سے ہماری پشت پر ہیں۔ اس بات کا اندازہ کر لینا بے حد ضروری ہے کہ یہاں گاہے گاہے معاشرے کا اسلام کے حق میں فیصلہ دینا اکثر ہمارے کسی دُوررَس ابلاغی لائحۂ عمل کا نتیجہ نہیں ہوتا۔ زیادہ تر یہ ایک خودکار عمل ہوتا ہے اور موقع پر اٹھائی ہوئی [illegible] کی کوئی صدا کام آجاتی ہے، جس سے معاشرے کی اپنی ہی اسلامی حس بیدار ہو جاتی ہے اور معاشرے کی گھٹی میں بیٹھی ہوئی ایک چیز لمحوں میں صدائے بازگشت بن کر سامنے آجاتی ہے۔ یہ بات جہاں خوش کن ہے وہاں لمحۂ فکریہ بھی ہے۔ تصور کریں، اس قدر عظیم الشان پوٹینشل عوامی تائید رکھتے ہوئے ہمارے پاس کوئی مؤثر ابلاغی پروگرام بھی ہوتا! پھر کون اس ملک میں لبرل سویرے کے راگ چھیڑ سکتا؟ سبحان اللہ، اس ملک میں اسلام کے حاکم نہ ہونے کا مقدمہ؟ ایسی بات کرنے والے یہاں منہ چھپاتے پھرتے۔ مگر اب وہ دندناتے ہیں، محض اس لیے کہ اسلام کے کیس کو یہاں کوئی مؤثر وکیل دستیاب نہیں ہے جو اسے خاص موقعوں پر آنے والے 'ردعمل' کی بجائے ایک پروایکٹو (proactive) تاثیری عمل کے طور پر لاتا۔ یہ اپنے وجود

میں آنے کے لیے واقعات کا محتاج یا منتظر نہ ہوتا بلکہ خود یہ واقعات کو وجود دینے والا ہوتا۔ اس چیز کے لیے ہمیں بہر حال سوچ بچار کرنا ہوگا۔

کفر کے تہوار ۔ سلف کا نقطۂ نظر

وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا　(الفرقان:72)

اور وہ لوگ جو ’’زُور‘‘ پر حاضر نہیں ہوتے اور کسی لغو چیز پر ان کا گزر ہو تو وقار اور متانت کے ساتھ گزر تے ہیں۔ آیت میں لفظ ’’زُور‘‘ پر سلف کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے:

ابوبکر خلالؒ نے اپنی جامع میں پورے اِسناد کے ساتھ:

- تابعی مفسر محمد بن سیرینؒ سے آیت کی تفسیر نقل کی، فرمایا: وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ میں نصاریٰ کا تہوار ’’شعانین‘‘ آتا ہے۔
- پھر تابعی مفسر مجاہد سے نقل کیا، فرمایا: اس سے مراد ہے مشرکین کے تہوار۔
- پھر تابعی مفسر ربیع بن انسؒ سے نقل کیا، فرمایا: مشرکین کے تہوار۔

اسی معنی میں تابعی مفسر عکرمہؒ سے روایت ہوئی، کہا: یہ ایک جشن تھا جو وہ زمانہ جاہلیت میں منایا کرتے تھے۔ قاضی ابویعلی نے اس کو **مسئلة فی النهی عن حضور أعياد المشركين** کے تحت بیان کیا۔

ابوالشیخ اصفہانی ’’ٌ[ûýXøi C7DY‘‘ میں اپنے باقاعدہ اِسناد کے ساتھ، تابعی مفسر ضحاک سے روایت کرتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ لَا يَشْهَدُوْنَ الزُّوْرَ والی آیت کی تفسیر ہے: عِيدُ الْمُشْرِكِيْنَ. نیز امام ضحاکؒ کا قول: اس سے مراد ہے شرک کی بات۔ نیز ضحاکؒ کا قول: مراد ہے أَعْيَادُ الْمُشْرِكِيْنَ. نیز تابعی امام عمرو بن مرۃ کا قول: آیت سے مراد ہے: ’’نہیں شامل ہوتے مشرکین کے ساتھ اُن کے شرک میں اور نہ اُن کے ساتھ گھلتے ملتے ہیں‘‘۔ نیز عطاء بن یسار کی روایت، کہا: فرمایا عمر[] نے: ’’عجمیوں کے اسلوب اور لہجوں سے بچو اور خبر دار رہو مشرکین کے ہاں جانے سے اُن کے تہوار کے دن اُن کے گرجوں میں‘‘۔

اب یہاں ایک اصولی مسئلہ واضح کرتے چلیں: تابعین کا اِس آیت کی تفسیر کے تحت یہ کہنا کہ یہ ’’مشرکوں کے تہوار ہیں‘‘، تابعین ہی کی ایک دوسری تفسیر سے معارض نہیں جس میں وہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے شرک یا جاہلیت کے بت، یا ان کی ایک دوسری تفسیر کہ یہ ناچ اور مجرے کی جگہیں ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ سلف کا یہ معمول ہے (کہ تفسیر میں ایک ہی حقیقت کے انطباق میں جو تنوع ہو، وہ مثالوں کی صورت بیان کر دیں)۔ سامع کی صورتحال کو سامنے رکھتے ہوئے کسی وقت وہ پوری جنس کا ذکر کر دیں گے اور کسی وقت اس کی محض ایک نوع کا۔

ہاں ایک جماعت نے اس آیت میں "زُور" کی تفسیر یہ کی ہے کہ اس سے مراد ہے جھوٹی شہادت۔[1] اور یہ البتہ محلِ نظر ہے۔ کیونکہ قرآن نے لفظ بولے ہیں: لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ. یہ نہیں بولا: لَا يَشْهَدُونَ بِالزُّوْرِ. جبکہ ''گواہی دینے'' والا معنیٰ ''ب'' کے صلے کے بغیر بنتا۔ ''ب'' کے صلے کے بغیر عرب جب بھی بولیں گے مثلاً کہیں کہ شَهِدْتُ كَذَا تو اس سے مراد وہاں حاضر ہونا اور موجود ہونا ہوگا نہ کہ گواہی دینا۔ گواہی دینے کے معنیٰ میں جب بھی بولیں گے تو کہیں گے: شَهِدْتُ بِكَذَا. اب مثلاً ابن عباسؓ کا قول: شهدتُ العيدَ مع رسول الله ﷺ ''میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید میں حاضر ہوا''۔ یا حضرت عمرؓ کا قول: الغنيمةُ لمن شَهِدَ الوقعةَ ''غنیمت اس کے لیے جو معرکے میں حاضر ہوا''۔

البتہ کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ تابعین کی یہ تفسیر، لفظ ''زُور'' کے معنیٰ سے کیا مناسبت رکھتی ہے؟ دراصل ''زُور'' کا مطلب ہے کہ حقیقت کچھ ہو اور دکھایا کچھ جائے۔ ملمع اور جعلسازی۔ باطن میں غلاظت ہو اور ظاہر میں اس کو حسن و جمال کا لبادہ اوڑھایا جائے۔ اب ظاہر ہے یہ باطل کا خصوصی وصف ہے۔ باطل ہمیشہ اپنے آپ کو خوب سے خوب لبادے میں پیش کرتا اور اِس ترکیب سے اپنی گندگی میں ایک کشش پیدا کرتا ہے؛ کبھی ''شبہات'' سامنے لا کر تو کبھی ''شہوات'' کی چادر تان کر؛ جس سے ایک خلقت اُس کے پیچھے ہو لیتی ہے اور کوئی صاحبِ نظر ہی ہو تو وہ اِس شبہات و شہوات کی لیپا پوتی والے 'چہرہ روشن' سے گزر اُس کے 'اندروں چنگیز سے تاریک تر' تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا باطل اور اس کے وہ مظاہر جو لوگوں کے لیے باعثِ کشش ہوں، اس پر "زُور" کا لفظ نہایت فٹ بیٹھتا ہے۔ تابعین کی تفسیر ان سب معانی کو خوب واضح کر دیتی ہے۔ لہٰذا اس لفظ کی تفسیر ''شرک'' سے ہوئی تو وہ اِس پہلو سے کہ یہ باطل کے اٹھائے ہوئے "شبہات" میں آتا ہے اور اگر اِس کی تفسیر باطل کے "ناچ مجروں" سے ہوئی تو وہ اِس پہلو سے کہ یہ اس کو پر کشش بنانے والی "شہوات" ہیں۔ اور جہاں تک یہ تفسیر ہے کہ اس سے مراد "مشرکوں کی عیدیں اور تہوار" ہیں تو اس عیدِ مشرکین میں "شبہات اور شہوات" ہر دو آتے ہیں، اور اس کو باطل ٹھہراتے ہیں۔ رب العزت کے دین کے لیے اس میں کوئی منفعت نہیں۔ لذت فوری تو انجام دردِ دائمی۔ لہٰذا یہ اِس پہلو سے بھی "الزُّوْر" ہوئی۔ اور اس میں شریک ہونا "لَا يَشْهَدُونَ"۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے اِس آیت میں عباد

الرحمٰن کا یہ وصف بیان فرمایا ہے اور اس کو با قاعدہ سراہا ہے کہ یہ وہاں پیر دھرنے کے روادار نہیں؛ یعنی نہ ان کی آنکھ اُسے دیکھنے کی اور نہ اِن کے کان اُسے سننے کے.. تو پھر اس بابت کیا خیال ہے کہ آدمی وہاں حاضر ہی نہیں بلکہ با قاعدہ شریک ہونے چل پڑے اور اس پر اپنی موافقت دکھائے؟

امام ابن تیمیہؒ کی رائے

اہل کفر کے سب تہوار ایک ہی جنس ہیں

(کفار کے تہواروں کی حرمت وشناعت پر قرآن، احادیث اور اجماع سے استدلال کرنے کے بعد.. آخر میں ابن تیمیہؒ رقم طراز ہیں):

کفار خواہ کتابی ہوں یا اُمی، دین اسلام میں ان سب کی عیدیں ایک ہی جنس ہیں؛ بعینہٖ جس طرح ان سب کا کفر اپنے حرام اور ناپسندیدہ ہونے میں ایک ہی جنس ہے۔ بے شک کسی ایک ملت کا کفر دوسری کے کفر کے مقابلے میں شدید تر ہو مگر اپنے حکم کے اعتبار سے مسلمان کے لیے یکساں ہیں۔ تاہم یہ درست ہے کہ اہل کتاب کو اُن کے دین پر چھوڑ دیا گیا، جبکہ اُن کے دین میں اُن کی عیدیں اور اُن کے تہوار بھی آتے ہیں۔ لیکن اُن کے ساتھ دورِ عمرؓ میں (از روئے صغار: آیت ۲۹ سورۃ توبہ) شرط یہ رکھی گئی کہ وہ اپنے شعائر دین کو ظاہر باہر نہ کریں گے۔ جبکہ امیوں کو (جزیرۂ عرب میں) سرے سے نہ رہنے دیا گیا۔

تاہم یہ بات بھی مدنظر رہے کہ:

امیوں کے جن تہواروں کو ختم کیا گیا وہ عموماً لوک میلوں کی صورت میں پائے جاتے تھے

جبکہ اہل کتاب کے تہوار وہ ہیں جن کو وہ دین سمجھ کر مناتے ہیں۔

اِس لحاظ سے کفارِ اہل کتاب کے تہوار اُمی کافروں کے لوک میلوں کی نسبت کہیں سنگین تر ہیں۔ ایک شخص خدا کی حرام کردہ اشیاء کے ذریعے اپنے نفس کی خواہشات پوری کرتا ہے تو وہ اتنا سنگین نہیں جتنا وہ شخص جو خدا کی حرام کردہ اشیاء کو خدا کے تقرب کا ذریعہ بنائے بیٹھا ہے۔ اول الذکر بات امیوں کے میلوں پر زیادہ صادق آتی ہے تو ثانی الذکر اہل کتاب کے تہواروں پر۔ یہی وجہ ہے کہ شرک زنا سے بڑا گناہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل کتاب سے جہاد کرنا بت پرستوں کے خلاف جہاد کرنے کی نسبت زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ نیز جس مسلمان کو اہل کتاب شہید کریں اُس کو دہری شہادت کا اجر ملتا ہے۔

اب جب یہ واضح ہے کہ شارع نے بت پرستوں کے تہواروں کو سرے سے ختم کر کے رکھ دیا، باوجود اس کے کہ (حدیث کی رو سے) شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ وہ جزیرۂ عرب میں بت پرستی کا دور دورہ کروا دے... تو پھر کتابی کفار کے شعائر سے چوکنا رہنا تو اور بھی ضروری ہے۔ پھر جبکہ رسول اللہ ﷺ نے جو پیشین گوئی فرمائی ہے وہ یہ نہیں کہ مسلمانوں میں اُمی (بت پرست) کفار کی پیروی ہونے لگے گی؛ بلکہ پیش گوئی آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ: مسلمانوں میں کتابی کفار کے راستے اور طور طریقے عام ہونے لگیں گے۔

اور آخر میں ویلنٹائن ڈے کے حوالے سے ابن علی کے جھنجھوڑتے الفاظ:

ویلنٹائن.. مردار تہذیب کی دستک

وہ دن گئے جب ہم مغرب سے کہتے تھے: 'تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی' وہ ہمیں ساتھ لیے بغیر مرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، اور ہم ان کے بغیر جینے کے روادار نہیں!

یہ موت کب سے ہمارے دروازوں پر دستک دے رہی ہے۔ 'کلچرل گلوبلائزیشن' کی حالیہ رفتار سے اگر آپ واقف ہیں، تو ہرگز بعید مت جانیے کہ ہم جنس پرست، سؤر اور بجّو کل آپ کی اِن گلیوں میں پھٹی ہوئی جینوں کے ساتھ جلوس نکالتے پھریں، اور بدفعلی پہ ناک چڑھانے پر آپ کو اور آپ کے آبا وَاجداد کو بدتہذیبی کے طعنے دیں، بلکہ 'تہذیب' کا یہ آخری گھونٹ بھی زبردستی آپ کے حلق سے اتارنے کی کوشش کریں!

باؤلا جس کو کاٹ لے، باؤلا کر دے۔ ایک نہایت کالی، باؤلی آندھی اب ہر ملک کے دروازے کھٹکھٹا رہی ہے۔ لبرلسٹ، سیکولر، ماڈرنسٹ سب اپنا اپنا کام کریں گے اور تاریخ کے اِس فسادِ عظیم کا راستہ صاف کر کے رخصت ہوں گے۔

پیچھے، پیکیج ایک ہے؛ اور ہر کسی کو یہ پورے کا پورا لینا ہوگا؛ اِس پیکیج کے حصے کرنا ممکن نہیں! 'سرخ سویرا' بیت چکا، اب وہ سب بھاڑے کے لکھاری، ادیب، دانشور، اینکر، گویے، بھانڈ، ڈھولچی اِس 'کالے سویرے' کے بگل بردار ہیں۔

حضرات! اِس کالی آندھی کے مقابلے پر نہیں اٹھیں گے، تو بجو اور سؤر آپ کے مال روڈ، لبرٹی اور آپ کے سوک سینٹرز کے آس پاس نکلا ہی چاہتے ہیں۔

اِس جدید بدبودار مخلوق کی 'ذات' کیا ہے؟ سید قطب کے الفاظ میں....: دن کے وقت

مشین، رات کے وقت حیوان، اور حیوان بھی ایسا ویسا نہیں! آج ہم ایک سماجی جنگ کے گھمسان میں ہیں؛ جبکہ ہمارے 'صالحین' اپنی نیکی کے نشے میں مست۔

آپ کی شریف زادیوں کے سر کی چادر تو کب کی فسانہ ہوئی، اور خدا بخشے وہ اپنے ساتھ نہ جانے اور کیا کچھ لے گئی.. بس یہ دیکھیے کہ اتنا سا لباس بھی آپ کی اِس آبرو کے تن پر کب تک سلامت رہتا ہے۔ 'تعلیم' کا عفریت اور 'ابلاغ' کا بھیڑیا کس فنکاری اور مشاقی کے ساتھ ہم نمازیوں، روزہ داروں، حاجیوں، عبادت گزاروں اور علماء وفضلاء و مبلغین کے زیرِ تماشا ہماری بچی کا لبادہ نوچتا چلا جارہا ہے۔ کیا ہوا، ہماری بیٹی سر بازار ہر سال ''لباس'' اور ''روایات'' کے بوجھ سے مسلسل ہلکی ہی تو کی جارہی ہے.! ہر سال اس فیبرک کے کچھ ہی تَند نکالے جاتے ہیں! ہوتے ہوتے بہت اترا، پھر بھی 'مغرب جتنا' نہیں! آپ خوامخواہ پریشان ہوتے ہیں؛ وہاں تو آپ کو پتہ ہے...!

خاطر جمع رکھیے؛ سب اُدھر ہی کو جارہے ہیں۔ ایک دم برہنہ تو نہیں ہوئی ہماری لختِ جگر؛ جتنا ہمیں ہضم ہوا، اتنا ہوئی! ہاں اب ہمارا 'ہاضمہ' تیز کرنے کی وہ زود اثر خوراکیں جو 'انفرمیشن ریوولیوشن' کی پڑیوں میں ڈال کر ہمیں بیچی جارہی ہیں، اپنا جادو دکھانے لگی ہیں...نہ جانے فری میسن اِس بار اتنی مطمئن کیوں ہے...اپنی شریف زادیوں کی ایک برہنگی ہی کیا، اب تو ویلنٹائن، شوقیہ قحبہ گری، 'فریڈم آف چوائس'، لزبینز اینڈ گیز، ناجائز اولاد، کنواری ماؤں کو 'قبول' کروانے کی انسانی ہمدردی کی تحریکیں اور نہ جانے کیا کیا ہمیں 'ہضم' ہوجانے والا ہے۔ فکر مت کیجیے؛ پیکیج ایک ہے۔ بس یہ تھوڑے دنوں کی بات ہے صاحب! یہ سب متلی جو 'کنواری ماؤں' کا لفظ سن کر فوراً آپ کے حلق کو آپہنچتی ہے، 'پُڑی' کے اثر سے زائل ہوجانے والی ہے! آپ کوئی پہلے 'مریض' تھوڑی ہیں، اس سے پہلے بڑی بڑی قوموں کا کامیاب علاج کیا جاچکا ہے؛ معالج کی مہارت پر شک کرنے والا کوئی احمق جاہل ہی ہوسکتا ہے اور اس پر پردہ ڈالنے والا زندیق منافق...بلکہ ابلیس۔

حضرات خاموشی کب تک؟ اٹھیے، بولیے، چیخیے، یہ ۱۴ فروری آپ کی تہذیب کا لٹمس ٹیسٹ ہے۔ رونا اس بدکار میڈیا کا نہیں، رونا اس بات کا ہے کہ آج ہماری محفلوں، بیٹھکوں، مسجدوں، منبروں اور محرابوں کو سانپ سونگھ گیا ہے!

اسلام اور مغرب مدیر

مشال قتل کیس

عدلیہ، انتظامیہ اور سیاستدان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کی بے حرمتی پر کیوں مصر ہیں؟ علماء، دینی قوتیں اور مسلمان عوام ان کے فیصلوں کو کیوں قبول کر رہے ہیں؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اسوۂ حسنہ اور فیصلے صحیح احادیث میں بیان ہوئے ہیں اور جمہور امت ان فیصلوں کو پچھلے ۱۴ سو سال سے مانتی آ رہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توہین رسالت کرنے والوں کے قتل کا حکم دیا اور کئی بار دیا اور آپ نے یہ حکم بجالانے والوں کی تحسین کی۔ نیز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت کے بغیر بعض شاتمینِ رسول کو قتل کر دینے والوں کے بارے میں یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس قتل کا محرک صرف غیرت رسول ہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا اور ان کو کوئی سزا نہ دی۔ لہٰذا آج بھی اگر کوئی مسلمان غیرت میں آ کر کسی شاتمِ رسول کو قتل کر دے تو عدالت کو یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس قتل کا محرک صرف غیرت رسول ہے اسے معاف کر دینا چاہیے۔ تاہم اگر کوئی اس بات کو بہانہ بنائے اور وجہِ قتل کوئی اور ہو تو اسے اسلام کے قانون قصاص کے تحت قتل کی سزا دی جائے گی۔

اسی وجہ سے جب عدالتیں غازی ممتاز قادری شہیدؒ کو سزا سنا رہی تھیں تو ہم نے اور ہمارے رفقاء نے ہر مرحلے پر عدالت کے فیصلے کو غلط اور خلاف اسلام ثابت کیا اور سارے مسالک کے علماء کرام کا متفقہ فتویٰ اس موضوع پر شائع کیا کہ قرآن وسنت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کی رو سے شاتم رسول قابل قتل ہوتا ہے اور اسے قتل کرنے والا قابل سزا نہیں ہوتا۔ ہمارے بعض احباب نے میاں نواز شریف اور شہباز شریف کو ذاتی طور پر بھی سمجھانے کی کوشش کی لیکن حکمرانوں اور عدالتوں نے ممتاز قادری کو پھانسی پر لٹکا کر ہی دم لیا۔ ہم نے اس وقت بھی لکھا تھا جب نواز شریف برسر اقتدار تھے کہ وہ ایسا سیاہ فیصلہ نہ کریں جو پچھلے ۱۴۰۰ سال میں کسی مسلمان حکمران نے نہیں کیا لیکن مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے علم بردار ممالک کا دباؤ اور پروپیگنڈا اتنا شدید تھا اور ہے کہ انہوں نے وہ سیاہ فیصلہ کیا اور ممتاز قادریؒ کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ ہماری رائے میں یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ وہ آج دنیا ہی میں ذلیل وخوار ہو رہے ہیں اور

کل بھی اللہ جانے ان کا حشر کیا ہوگا؟

یہ ہمارے حکمرانوں کی بدقسمتی ہے کہ انہوں نے کتے کھلے چھوڑے ہوئے ہیں اور پتھر باندھ رکھے ہیں یعنی لوگوں کو توہین رسالت کی کھلی چھٹی دے رکھی ہے خصوصاً سوشل میڈیا میں کیونکہ معاشرے میں زندہ لوگوں کے سامنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنا آسان نہیں ہوتا اور مسلمان خواہ کتنے گنہگار اور بدکار کیوں نہ ہوں، اپنے نبی کی توہین برداشت نہیں کرتے، اس لیے بے دین اور مغرب زدہ لوگ سوشل میڈیا پر جعلی ناموں سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتے ہیں اور ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں جو مسلمانوں کے لیے ناقابل قبول ہوتے ہیں۔ لیکن حکومت ان بلاگرز کو گرفتار نہیں کرتی اور انہیں سزا نہیں دیتی بلکہ حکومت نے تو آج تک کسی مرتکبِ توہینِ رسالت کو موت کی سزا نہیں دی جب کہ اس کا قانون موجود ہے۔ اور جب حکومت ایسے لوگوں کے خلاف ایکشن نہیں لیتی تو لوگ مشتعل ہو کر انہیں قتل کر دیتے ہیں۔

سلمان تاثیر کے ساتھ یہی ہوا کہ حکومت نے اس کے خلاف توہین رسالت پر کوئی ایکشن نہیں لیا پولیس نے اس کے خلاف مقدمہ درج کرنے سے انکار کر دیا.... تو ایک غیرت مند مسلمان نے مشتعل ہو کر اسے قتل کر دیا۔ مشال خاں کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ اس کے دوست اسے سمجھاتے رہے کہ یہ حرکت نہ کرو لیکن وہ باز نہ آیا۔ بالآخر یہ بات کسی طرح باہر نکل گئی اور مشہور ہو گئی کہ وہ توہینِ رسالت کا مرتکب ہوتا ہے چنانچہ مردان یونیورسٹی کے سیکڑوں مسلمان طلبہ نے غیرت میں آ کر اُسے کو قتل کر دیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک قابلِ تحسین فعل تھا اور اس کی مذمت نہیں کی جاسکتی۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ عدالت اس کا جائزہ لیتی کہ وہ توہینِ رسالت کا مرتکب ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ہوا ہوتا تو جن طلبہ نے اسے مارا انہیں بری کر دیتی۔ اور اگر ثابت ہو جاتا کہ جن لوگوں کی وجہ سے طلبہ مشتعل ہوئے ان کا مقصد کچھ اور تھا تو ان کو قصاص میں سزائے موت دی جاتی اور عام طلبہ کو بری کر دیا جاتا۔ لیکن ہوا یہ کہ جونہی یہ قتل ہوا، حکومت، سیاست دانوں، مغرب زدہ دانشوروں، صحافیوں خصوصاً الیکٹرانک میڈیا کے اینکر پرسنز نے یہاں تک کہ پولیس سربراہ نے بھی تفتیش سے پہلے ہی اس قتل کی مذمت شروع کر دی اور اسے بہیمانہ، ظالمانہ اور دہشت گردانہ فعل قرار دے دیا۔ ممتاز قادریؒ کے وقت بھی یہی ہوا تھا کہ مغرب کا علمی، فکری اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے پروپیگنڈا اور سیاسی وتہذیبی دباؤ بہت شدید

تھا اور اس کے نتیجے میں ہمارے ہاں بعض طبقوں کا مائنڈ سیٹ یہ بن گیا ہے کہ شاتمِ رسول کا قتل غلط ہے، قابل مذمت ہے اور قابل سزا ہے۔ چنانچہ عدالتوں نے بھی اسی مائند سیٹ کے تحت سلمان تاثیر اور مشال خاں کے قاتلوں کو سزائے موت دی اور عدالتیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل کے مطابق فیصلہ دینے کی بجائے مغرب کے قوانین اور مغرب زدہ لوگوں کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت شاتم رسول کو کیفر کردار تک پہنچانے والوں کو سزائے موت دے رہی ہیں۔ چنانچہ دہشت گردی کی ابتدائی عدالت کے جج نے لکھا کہ ممتاز قادری نے توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کیا، میں اسے اسلامی لحاظ سے سزا نہیں دے سکتا لیکن دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ فلاں اور فلاں کے تحت اسے سزائے موت دیتا ہوں۔ بھائی! مسئلہ یہ ہے کہ یہ دہشت گردی کا فعل تھا ہی نہیں۔ جو شاتم رسول کو قتل کر دے وہ دہشت گرد نہیں ہوتا۔ یہ میرا نہیں، آپ کا نہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ہے۔ بعد کی عدالتوں میں بھی یہی ہوا اور سیکولر مائنڈ سیٹ کے حامل اور مغربی قانون کی تعلیم حاصل کرنے اور پریکٹس کرنے والے ججوں نے یہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ ''وہ شریعت کے ماہر نہیں کہ وہ شرعی لحاظ سے یہ فیصلہ کریں کہ ممتاز قادری کا فعل شرعاً جرم ہے یا نہیں'' اس کے دو تین دن بعد اس کی پھانسی کے فیصلے کو ''صحیح'' قرار دے دیا۔

ہمارا سوال عدلیہ، حکمرانوں، فوج، پولیس، بیوروکریسی، سیاستدانوں سے یہ ہے کہ پاکستان میں جہاں ۹۷.۵ فیصد لوگ مسلمان ہیں اور دستور پاکستان قرآن وسنت کی بالادستی کو تسلیم کرتا ہے وہاں فیصلے نبی معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلوں کی روشنی میں ہوں گے یا مغرب کی الحادی فکر وتہذیب کے تصورات قانون وعمل کے تحت ہوں گے اور اس تہذیب کے علمبردار ممالک کے فکری، سیاسی اور معاشی دباؤ کے تحت ہوں گے؟ یہ منافقت اب ختم ہونی چاہیے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام مبارک لیا جائے تو ہم ہاتھ چومیں اور آنکھوں کو لگائیں اور آپ پر درود وسلام بھیجیں لیکن جب فیصلے کا وقت آئے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکموں کے خلاف فیصلے کریں اور مغربی قانون کے مطابق فیصلے کریں۔

البرہان کا آن لائن مطالعہ کریں
www.al-burhan.com

اسلام اور مغرب

ڈاکٹر محمد مشتاق احمد

نو استشراق اور اس کے مکاتبِ فکر

استعمار اور استشراق کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ مابعد استعمار کے دور میں استشراق نے "علمی مطالعے" کا لبادہ اوڑھ لیا۔ جیسے استشراق کی علمیت کے پیچھے سیاسی محرکات تھے، ایسے ہی مغرب میں علمی مطالعے کی روایت کے اسباب بھی بنیادی طور پر سیاسی ہی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ استشراق کے سیاسی محرکات کی طرح علمی مطالعے کے سیاسی محرکات کی جڑ میں بھی مذہبی عناد موجود ہے۔

استعمار کے دور میں استشراق کا بڑا حملہ حدیث پر ہوا، جس کے نتیجے میں ہمارے ہاں بیسویں صدی عیسوی میں انکارِ حدیث کا پورا ڈسکورس وجود میں آیا۔ اس ڈسکورس کے جواب میں مسلمان اہلِ علم نے اتنے پہلوؤں سے اور اتنا تفصیلی کام کیا کہ اکیسویں صدی میں ذخیرۂ حدیث کے استناد سے انکار کا موقف قابلِ قبول نہیں رہا۔ اس لیے اکیسویں صدی میں مغرب کے علمی مطالعے نے دوسری راہیں تلاش کر لی ہیں۔ اس نو استشراقی فکر کے نتیجے میں چار مکاتبِ فکر نے جنم لیا ہے۔

ذیل میں ان چار مکاتبِ فکر کا مختصر تعارف پیش کیا جا رہا ہے:

ایک مکتبِ فکر یہ سامنے آیا ہے کہ قرآن کے استناد سے انکار کیا جائے۔ مغرب میں کئی نامی گرامی لوگوں نے اس پہلو سے کام کرنے کی کوشش کی ہے اور نہ صرف اختلافِ قراءات کو ہدف بنایا بلکہ مخطوطات پر بھی اعتراضات کیے اور لسانیاتی بحثیں بھی اٹھائیں۔ تاہم مسلمانوں کے ہاں ابھی تک بالعموم اس نقطۂ نظر کو قبولیت نہیں مل سکی ہے اور اس وجہ سے مسلمانوں کے ہاں زیادہ تر بحث بس اختلافِ قراءات سے انکار یا ان کی تاویل تک ہی محدود رہی ہے۔ قرآنی متن کے استناد پر امت کا اعتماد اب بھی برقرار ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ "محض تلاوت پر ثواب" سے انکار کو "عقلی" اور "لسانیاتی" دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اور عبودیت اور روحانیت کے پہلو کی نفی کا سلسلہ بھی شروع ہو چکا ہے۔

جب قرآنی متن کو مشکوک نہیں بنایا جا سکا تو قرآن اور امت کے تعلق پر ایک اور پہلو سے حملہ شروع ہوا جسے Hermeneutics کے دل فریب عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اس زاویۂ نظر کے نتیجے میں متن کی اہمیت کم ہو جاتی ہے اور متن پڑھنے والے کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔ یوں متن وہی مفہوم رکھتا ہے جو پڑھنے والا اس سے اخذ کرتا ہے۔ پدرسری معاشرے میں پلنے بڑھنے والا انسان متن سے کچھ اخذ کرے گا اور صنعتی دور میں شہر کی میکانکی زندگی سے نبرد آزما شخص متن کو کچھ اور سمجھے گا۔ وہ کام جو انکارِ حدیث سے مقصود تھا اور جو انکارِ قرآن کا مکتب فکر نہیں کر پایا، وہ اس دوسرے مکتب فکر نے کر دکھایا ہے۔ امت کے کئی ذہین لوگ اس نقطۂ نظر کو قبول کرنے کے نتیجے میں انہی نتائج تک پہنچے ہیں جو حدیث کی حجیت یا قرآنی متن کے استناد سے انکار کے نتیجے میں مرتب ہونے تھے۔

تیسرا مکتب فکر ذرا مختلف زاویے سے انہی نتائج تک پہنچا۔ یہ نقطۂ نظر دعوی تو پورے قرآن کے "قطعی الدلالہ" ہونے کا کرتا ہے اور اس پہلو سے بظاہر یہ اس دوسرے مکتب فکر کا عین متضاد معلوم ہوتا ہے، لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ مکتب فکر قرآن کی قطعیت سے انہی نتائج تک پہنچا ہے جہاں تک دوسرا مکتب فکر قرآن کی ظنیت سے پہنچا تھا۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ قطعی الدلالہ کا اصول ماننے کے لازمی نتیجے کے طور پر اپنے فہمِ قرآن کو امت کے "روایتی فہمِ قرآن" پر فوقیت مل گئی اور جب ایک دفعہ قرآن کا روایت سے رشتہ کٹ گیا تو پھر دوسرے مکتب فکر کے نتائج ماننا تو ایک بدیہی امر ہو گیا۔ دوسرا بڑا سبب یہ ہوا کہ اس مکتب فکر کے دیگر اصول، بالخصوص نظریۂ "اتمامِ حجت"، کی وجہ سے قرآنی متن کا بہت بڑا حصہ زمان و مکان کے ایک مخصوص دائرے اور مخاطبین کے ایک مخصوص گروہ تک محدود ہو کر رہ گیا۔ نتیجتاً معاصر دور کے زندہ مسائل کے لیے دین رہنما بننے سے قاصر ہو گیا۔ (ابھی چند ہی دن قبل اس مکتب فکر کے ایک علم بردار نے کہا تھا کہ بٹ کوئن کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ دینی علوم کے ماہرین نہیں کر سکتے!)

چوتھا مکتب فکر اس تیسرے مکتب فکر کی بہ نسبت زیادہ "روایتی" حلقے سے سامنے آیا ہے۔ یہ زاویۂ نظر ان لوگوں کا ہے جو بہ ظاہر نہ صرف قرآن و حدیث بلکہ فقہ و اصول کے بھی ماننے والے ہیں اور فقہائے کرام، محدثین اور مفسرین بلکہ صوفیہ کے اقوال سے استشہاد بھی کرتے رہتے ہیں۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۳۹)

اسلام اور پاکستان مدیر

دینی قوتیں اور علماء کرام توجہ فرمائیں!

اصل بحران ایمانی و اخلاقی ہے

قصور والے زینب کے واقع کے اگلے روز ہم نے اخبار میں خبر پڑھی کہ راولپنڈی میں ایک والد نے اپنی پندرہ سالہ بیٹی سے منہ کالا کیا۔ چند دن بعد اسی طرح کی خبر لاہور سے آئی۔ جس دن کا چاہے اور جون سی چاہے اخبار اٹھا کر دیکھ لیجیے۔ چار چھ واقعات روزانہ بچیوں یا بچوں اور عورتوں کے ساتھ اس طرح کے پیش آ رہے ہیں؟ سوال یہ ہے کہ اس کا سبب کیا ہے بلکہ اس کے اسباب کیا ہیں؟ کیونکہ کوئی حادثہ ایک دم نہیں ہوتا بلکہ برسوں کے اقدامات اس کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں۔

اس کے اسباب گننے کو آئیں تو بہت سے ہیں (جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم نے پچھلے ماہ کے البرہان میں بھی کیا تھا) آج ہم دو بنیادی اسباب کا ذکر کریں گے۔

پہلا: یہ کہ بحران اصل میں ایمانی اور اخلاقی ہے۔ اصلاحی و تبلیغی جماعتوں، دینی مدارس اور مساجد نے بلاشبہ اصلاح و تعمیر فرد کے لیے کچھ کوششیں کی ہیں لیکن وہ بوجوہ موثر ثابت نہیں ہوئیں۔ دینی قوتوں نے جو سیاسی جدوجہد کی وہ بھی بوجوہ کامیاب نہیں ہوسکی۔ پھر ہمارے اندر بگاڑ کی قوتیں (مغرب کی سرپرستی میں پرنٹ، الیکٹرانک اور سوشل میڈیا، مخلوط تعلیم، اسٹیبلشمنٹ (سیاستدان، سول اور فوجی بیوروکریسی، عدلیہ وغیرہ) طاقتور بھی ہیں اور سب دینی اصول و اقدار کی خلاف ورزی، نظریۂ پاکستان سے چشم پوشی اور مغرب کی الحادی فکر و تہذیب کے اصول و اقدار اور اداروں (خصوصاً کیپیٹل ازم، سیکولرزم، لبرل ازم اور مغربی جمہوریت وغیرہ) کی حمایت اور انہیں پاکستانی معاشرے میں رائج و نافذ کرنے پر تلے ہوئی ہیں اور ان کی پشت پر ریاستی قوت اور پورا مغرب اور اس کے حلیف ہیں۔ ان حالات میں دینی قوتوں کو فرد اور معاشرے کے اندر ایمانی و اخلاقی تبدیلی لانے کے لیے اپنی سٹریٹجی پر نظر ثانی کرنے اور اسے موثر بنانے کی شدید ضرورت ہے۔

دوسرا بڑا پہلو اس اخلاقی بحران کا یہ ہے کہ ملک میں ۱۹۷۹ء سے حدود قوانین نافذ ہیں لیکن ریاست اور اس کے ادارے (پولیس، وکیل، عدلیہ، حکمران) کوئی بھی ان پر عمل درآمد نہیں کرنا چاہتا لہٰذا وہ ردی کا ایک ٹکڑا ہیں اور اس سے بڑھ کر ان کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ قانون موجود ہے، آٹھ دس زانیوں کو سنگسار کرا دیجیے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ کون ریپ کرتا ہے؟ لیکن جب اسلامی قوانین موجود ہوں لیکن ان پر عمل درآمد کے ذمہ دار انہیں نافذ نہ کرنا چاہتے ہوں اور دینی عناصر میں اتنی قوت بھی نہیں کہ وہ خود برسر اقتدار آسکیں، تو پھر ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت واصلاح سے ان افراد کو بدلنے کی کوشش کریں جن کی یہ قانونی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی قوانین پر عمل درآمد کرائیں۔ گویا بات پھر وہیں آگئی کہ ایمانی و اخلاقی انقلاب کے لیے دینی قوتوں کو دعوت واصلاح کی نئی پالیسی بنا کر جان توڑ محنت کرنا ہوگی اور اصلاح اخلاق کی تحریک چلانا ہوگی ورنہ معاشرہ یوں ہی تباہی کی طرف گامزن رہے گا اور زینبیں لٹتی رہیں گی۔

بقیہ: نواستشراق اور اس کے مکاتبِ فکر

تاہم انھوں نے نصوصِ قرآن وحدیث کے "بیان" اور اور پھر ان نصوص پر "قیاس" کے نتیجے میں پیدا ہونے والے احکام سے اخذ کیے گئے "مقاصدِ شریعت" کو معیار مان کر ان کی روشنی میں نصوص ہی کی تاویل شروع کردی۔ یوں یہ مقاصدِ شریعت گویا Frankenstein کی مثال بن گئے۔ پھر جب ایک دفعہ ان مقاصد کی روشنی میں نصوص سے ثابت شدہ احکام میں تغییر کا سلسلہ شروع ہوا تو لازمی نتیجے کے طور پر بعض نئے مقاصدِ شریعت بھی ماننے پڑے اور ساتھ ہی مقاصد کی ترتیب میں الٹ پھیر بھی شروع ہوگئی۔ یوں جلد ہی یہ "مقاصدی فکر" مکمل طور پر "مفاسدی فکر" میں تبدیل ہوگئی اور اس لیے کوئی حیرت کی بات نہیں کہ عملی مسائل میں یہ مکتبِ فکر آپ کو وہیں کھڑا نظر آتا ہے جہاں دوسرے اور تیسرے مکاتبِ فکر کے ماننے والے کھڑے ہوتے ہیں۔

اور ہاں، پہلے مکتبِ فکر کے ماننے والے ان تین مکاتبِ فکر کے پیروکاروں سے بس ایک ہاتھ ہی کے فاصلے پر ہوتے ہیں!

اسلام اور پاکستان مدیر

علماء کرام کے ڈگمگاتے قدم

اے علماء کرام! اپنے موقف پر ڈٹے رہیے!

اگر آپ کے قدم ڈگمگا گئے تو دین پسپا ہو جائے گا

پچھلے چند ہفتوں میں چار ایسے واقعات پے در پے سامنے آئے جن میں علماء کرام اور دینی قوتوں کے قدم ڈگمگاتے نظر آتے ہیں:

پہلے: علماء کرام نے فتویٰ دیا کہ پاکستان کے خلاف خروج غیر شرعی ہے۔ ہم بھی اسے غیر شرعی ہی سمجھتے ہیں۔ [۱] لیکن اس میں علماء کرام نے مفہوم المخالفہ سے صَرفِ نظر کیا اور اس سے جڑے دیگر مسائل کی شرعی حیثیت سے اغماض برتا۔ یہ فتویٰ صدارتی محل سے صدر مملکت کے تصدیقی دستخطوں سے جاری ہوا جس سے ظاہر ہے کہ علماء کرام نے یہ فتویٰ حکومت کی خواہش اور مطالبے پر جاری کیا۔

دوسرے: بعض علماء کرام نے پنجاب حکومت کی خواہش اور مطالبے پر جنسی تعلیم پر مبنی ایک باتصویر کتابچے کی مساجد کے ذریعے تقسیم کرنے کی حامی بھری اور اس معاملے میں حکومت کی ہم نوائی کی حالانکہ حکومت ہی فحاشی وعریانی کو فروغ دینے، جنسی اشتعال پھیلانے اور مجرموں کو سخت سزا نہ دینے کی ذمہ دار ہے اور اس کے پاس اس کام کے لیے ہزاروں حکومتی اور پرائیویٹ سکول موجود ہیں۔

تیسرے: توہین رسالت کے مرتکب کو قتل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جاتا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فیصلہ ہے اور یہ فیصلہ آپ نے کئی بار کیا ہے۔ جمہور امت اور جمہور علماء اس پر متفق ہیں اور ایسا کرنے والا غازی اور شہید کہلواتا اور مسلمانوں کی آنکھوں کا تارا بن جاتا ہے چہ جائیکہ اسے قاتل کہا جائے اور اسے قتل کی سزا دی جائے۔ لیکن غازی ممتاز قادری شہیدؒ کے معاملے میں پہلے جاوید غامدی صاحب نے مغرب کی حمایت میں اس کے خلاف موقف اختیار کیا۔ پھر ان کی تائید میں عمار ناصر صاحب نے یہ غلط بات کہہ کر اس مسئلے پر دھول اڑائی

[۱] جس کی دو بنیادیں ہیں، ایک یہ کہ علماء کرام اور دینی قوتوں نے ملک میں نفاذ شریعت کے لیے پر امن کوششوں کا حق ادا نہیں کیا اور اتمام حجت نہیں کیا اور دوسرے جن لوگوں نے پاکستان کے خلاف خروج کیا انہیں کافر حکومتوں (امریکہ، بھارت اور اسرائیل) کی عملی معاونت حاصل ہے۔

کہ احناف اس مسئلے میں امت سے مختلف ہیں۔ پھر سلفی حضرات نے فرقہ وارانہ بنیادوں پر اس مسئلے کی حمایت سے انکار کیا۔ جماعۃ الدعوہ کی 'تحریک حرمت رسول' پس منظر میں چلی گئی اور مدیر محدث نے اپنے سابقہ تحریری موقف سے رجوع کرلیا۔ اوراب مشال قتل کیس میں جماعت اسلامی نے مردان کے مولانا گوہر الرحمنؒ کے صاحبزادے مولانا عطاء الرحمن کو سرزنش کی ہے کہ انہوں نے مشال قتل کیس میں رہا ہونے والوں کا استقبال کیوں کیا؟

چوتھے: دینی مدارس کے وفاقوں نے اپنی تحتانی ڈگریاں تسلیم کرانے کے لیے حکومت کا یہ مطالبہ تسلیم کرلیا ہے کہ وہ میٹرک، ایف اے اور بی اے کا حکومتی نصاب پڑھائیں گے جب کہ وہ مڈل اور میٹرک کا نصاب پہلے ہی قبول کر چکے ہیں بایں صورت کہ وہ مڈل یا میٹرک پاس بچوں کو مدارس میں داخلہ دیتے ہیں۔ یہ صورت حال تشویشناک ہے۔ کیا دینی مدارس کے علماء کرام کو نہیں پتا کہ نصاب اور نصابی کتب کا انسان کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے؟ اور کیا انہیں خبر نہیں کہ حکومت کا موجودہ نصاب مغرب زدہ ہے؟ لیکن وہ ان پہلوؤں سے صَرفِ نظر کرکے حکومتی نصاب کو قبول کررہے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ ہمت وفراست سے کام لیں تو پرائمری اور مڈل کا اپنا اسلامی نصاب بنا کر دینی مدارس یا خصوصی اسلامی سکولوں میں رائج کر سکتے ہیں اور میٹرک، ایف اے، بی اے کی اپنی نصابی کتابیں اسلامی تناظر میں تیار کر سکتے ہیں۔ بلکہ جب قوم کی دینی رہنمائی ان کے ذمے ہے تو جو کروڑوں مسلمان بچے پاکستان کے جدید تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں تو کیا ان کے ایمان اور عقیدے کی حفاظت ان کی ذمہ داری نہیں؟ تو وہ کیوں اسلامی نصاب بنا کر سارے ملک کے پرائیویٹ سکولوں میں رائج کرنے کا نہیں سوچتے؟

یہ ان مسائل میں علماء کرام کے موقف کا خلاصہ ہے۔ تھوڑی سی تفصیل ہم نے اسی شمارے میں الگ سے بھی دی ہے اور ان مسائل پر البرہان میں پہلے بھی تفصیل سے لکھا جاتا رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان چاروں امور میں علماء کرام کے قدموں کے ڈگمگانے کی وجہ کیا ہے؟ ہمارے نزدیک یہ مغرب کی ملحدانہ فکر وتہذیب کے عدم فہم اور اس سے مرعوبیت اور پسپائی کا نتیجہ ہے۔ اصل میں پسپائی تو ہماری حکومت اور اور حکومتی اداروں نے اختیار کی ہے اور جاوید غامدی صاحب جیسے چند اسلامی سکالروں اور جدید دانشوروں نے کی ہے لیکن ان کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اور ان کے فریب اور دباؤ میں آکر بعض علماء کرام بھی ان کے ساتھ چل پڑے ہیں یا یوں کہیے کہ انہوں نے ان علماء کرام کو بھی اپنے ساتھ گھسیٹ لیا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر: ۵۸)

اسلام اور پاکستان سید خالد جامعی[1]

جنسی جرائم، جدیدیت اور ہماری عدلیہ

چیف جسٹس آف پاکستان کی خدمت میں چند گزارشات

❁ ہماری اعلیٰ عدلیہ بدفعلی، جبری جنسی زیادتی، زناکاری کے مسئلے کو آزادی کے عقیدے کے تناظر میں دیکھنے کی بجائے جنس (Gender) کے تناظر میں دیکھ رہی ہے۔

❁ میڈیا والے اسے مرد کے ہاتھوں عورت پر ظلم کا رنگ دے رہے ہیں جو خالص مغربی تناظر ہے۔

❁ زینب، اسماء اور اب عاصمہ درانی کوئٹہ میں بھائی کے ہاتھوں تیرہ سالہ بہن کا قتل! یہ کیا ہو رہا ہے؟

❁ سپریم کورٹ کے ایک سابق جج کے بھائی نے اپنے باپ کو قتل کر دیا یہ سب کیا ہے؟ ماں باپ کا قتل کیوں؟

❁ چیف جسٹس صاحب نے گزشتہ ایک ہفتے میں کئی لڑکوں سے ہونے والی جنسی زیادتیوں کا نوٹس ہی نہیں لیا۔

❁ جناب چیف جسٹس صاحب! ہر مسئلہ قانون سے حل نہیں ہوگا یہ علمیت، اقدار، روایات، نظریات، طرز زندگی اور عقیدے کی تبدیلی کا مسئلہ ہے۔ ہمارے عقیدے بدل رہے ہیں۔ ہم اسلامی روایت، تہذیب، معاشرت، علمیت تبدیل کر کے آزادی کا عقیدہ اختیار کر رہے ہیں۔ یہ اس کا ردعمل ہے۔ ردعمل کا کوئی نظریہ نہیں ہوتا (Reaciton has no Ideology)۔ آپ عقیدے پر بحث کیجیے، پھر فیصلہ کیجیے۔

ابھی قصور کی زینب کے آنسو خشک نہیں ہوئے تھے کہ مردان کی چار سالہ بچی اسماء کے اغواء، زیادتی اور قتل کی واردات سامنے آ گئی۔ چیف جسٹس صاحب نے اس کا بھی نوٹس لیا تو

---

[1] جامعہ کراچی

انہیں معلوم ہوا کہ صوبہ سرحد کی پولیس کا حال پنجاب پولیس سے بھی بدتر ہے۔ وہاں فرانزک لیب ہی نہیں ہے۔

چیف جسٹس صاحب نے پھر دوسرے سوال کا جواب تلاش کیا، وہ پہلے سوال پر نہیں گئے کہ جب صوبہ سرحد میں پولیس کی تعداد بہت کم تھی، دو چار تھانے تھے تب جرائم کی شرح صفر کیوں تھی؟ اور اب پولیس ہر جگہ پہنچ چکی ہے، تمام جدید آلات بھی اسے میسر ہیں، اس وقت جرائم کی شرح بہت زیادہ کیوں ہے؟

وہ اس سوال کا جواب بھی تلاش نہیں کر رہے ہیں کہ روایتی معاشروں میں، مذہبی تہذیبوں میں تو پولیس، تھانہ، کچہری، فرانزک لیب، تحقیقاتی ادارے، DNA ہوتا ہی نہیں تھا لیکن جب سے پولیس DNA سائنس کی سہولتیں آگئی ہیں ان کو لانے سے پہلے ماڈرن ازم نے جرائم اور مجرم پیدا کرنے شروع کر دیے۔ ظاہر ہے یہ ایجادات بھی ماڈرن ازم کے پیدا کردہ مسائل کو حل کرنے کا تاثر پیدا کرنے کے لیے ہوئی ہیں۔ مسئلے پیدا کر کے ان کو ٹیکنو سائنس سے حل کرنے کی کوشش کر کے جدیدیت اپنی عظمت اور سائنس کی برتری کا اعلان کرتی ہے۔

ظاہر ہے جدیدیت کو ترقی یافتہ، تعلیم یافتہ، سول سوسائٹی والا آزاد انسان مطلوب تھا جو ہدایت یافتہ نہیں ہے لہٰذا دنیا کے تمام ترقی یافتہ معاشرے اخلاقی طور پر تاریخ انسانی کے بدترین اور ذلیل ترین معاشرے ہیں۔ بلاشبہ یہ معاشرے سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہیں مگر سب سے زیادہ مجرمانہ معاشرے ہیں۔ دنیا میں سب سے زیادہ قوانین بھی مغرب میں ہیں۔ ہر چیز کا قانون، خراٹے لینے کا قانون، کتے کے بھونکنے کا قانون، بیوی سے جبری مباشرت نہ کرنے کا قانون، عوامی مقامات پر جانوروں کے فارغ نہ ہونے کا قانون، غرض لاکھوں قوانین ہیں۔ پاکستان میں بھی اسی لیے روزانہ قانون سازی ہو رہی ہے۔

وکیل جدید ریاست کا فقیہہ، عالم، مجتہد ہے۔ نائیل فرگوسن کی کتاب *The Great Degeneration* کا آخری باب پڑھ لیجیے اس میں وہ لکھتا ہے کہ مغرب میں Rule of Law کی جگہ Rule of Lawyers نے لے لی ہے۔ جدید ریاست کو یہی چلاتے ہیں۔

پانامہ گیٹ لیکس میں ان وکیلوں نے کروڑوں روپے فیس لی۔ نواز شریف جیسا ارب پتی کہہ رہا ہے کہ میں وکیلوں کو فیس دیتے دیتے تھک گیا ہوں۔ صرف فیس نہیں مقدمے کی طوالت بھی اہم ہے۔ نواز شریف نے سچ بولا یا جھوٹ، سپریم کورٹ کو یہ بات معلوم کرنے میں ایک سال لگا۔ اس کے باوجود نواز شریف 'قاضی عدالت' نہیں لائیں گے، ان کو سرمایہ دارانہ نظام عدل ہی عزیز ہے۔

دنیا کا سب سے مہذب، سو فی صد تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ملک امریکا ہے۔ ۲۰۱۶ء میں امریکا میں ۲۷ لاکھ لوگ جیل میں قید تھے۔ چین میں دس لاکھ لوگ رشوت کے جرم میں ملوث ہیں اور عدالتوں کا سامنا کر رہے ہیں۔ ترقی اور جرائم، جیل، خودکشی، پاگل پن، قتل، خون لازم وملزوم ہیں۔ ترقی کے باعث چین میں خودکشی کی شرح سب سے زیادہ ہے پہلے امریکا میں خودکشی کی شرح سب سے زیادہ تھی لیکن جیسے ہی چین نے ترقی میں امریکا کو پیچھے چھوڑ دیا خود کشی میں بھی امریکا سے آگے بڑھ گیا۔

کوئٹہ کا واقعہ تو زینب اور اسماء کے واقعے سے زیادہ ہولناک ہے۔ میڈیا نے اسے اہمیت نہیں دی، اس لیے یہ چیف جسٹس صاحب کی توجہ کا ابھی تک مرکز ہی نہیں بن سکا۔ چیف جسٹس صاحب صرف اس حادثے کا نوٹس لیتے ہیں جسے میڈیا بہت اہمیت دیتا ہے۔ جسے وہ اہمیت نہ دے وہ سوموٹو نوٹس کا مسئلہ نہیں بنتا۔

کوئٹہ کی تیرہ سالہ طیبہ کے ساتھ اس کے بھائی نے جبری بدفعلی کی اور پھر اسے قتل کر دیا [تمام قومی اخبارات ۲۹، ۳۰ جنوری ۲۰۱۸ء]۔ ماں گھر میں نہیں تھی ملتان گئی ہوئی تھی عاقلہ اردگرد نہیں تھی۔ ماں اور عاقلہ نے بچے کی صحیح تربیت بھی نہیں کی۔ خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ کلی اسماعیل کا یہ گھرانہ ایک روایتی گھرانہ تھا مگر اس دنیا میں تنہا تھا۔ ماں، بہن، بھائی سب پیسے کمانے میں مصروف تھے۔ سب کو امیر بننا ہے غربت تو لعنت ہے۔ جدیدیت، میڈیا، اشتہارات، سیکولر تعلیم، ڈرامے، انٹرنیٹ، موبائل ایک نوجوان کے جذبات کو کس کس طریقے سے بھڑکا رہے ہیں اور اسے کن کن جرائم پر مجبور کر رہے ہیں، چیف جسٹس صاحب اس طرف توجہ ہی نہیں فرما رہے۔ وہ اس واقعے پر توجہ دیتے تو پاکستانی معاشرے کے بدلتے ہوئے تیوروں کا انہیں اندازہ ہوتا۔ جج، وکیل، صحافی، استاد، آجر، اجیر سب پیسے بنانے کی مشین بن

چکے ہیں۔ ہر شخص جلد از امیر ہونا چاہتا ہے کیوں کہ جدید ریاست، جدید تعلیم سب کو یہی پیغام دے رہی ہے کہ جو دنیا میں ناکام ہے وہی اصل میں ناکام ہے، اصل چیز دنیا ہے، اسلام کے عروج و زوال کا تصور بھی دنیا سے مشروط کر دیا گیا ہے۔ اسلام کے عروج کا مطلب یہ سمجھا جا رہا ہے کہ اقتدار ہمارے پاس ہو، تمام اسباب دنیا اور قوت و طاقت کا ماخذ ہمارے ہاتھ میں ہوں بس امریکا کی جگہ ہم ہوں۔ یہی نظام زندگی، قوت و طاقت کے یہی مراکز باقی رہیں اور ان میں ہم بس اسلام لے آئیں۔

غلبۂ دین کا یہ تصور بھی استعماری تصور ہے اس کا اسلام کے تصور عروج اور تصور کامیابی سے کوئی تعلق نہیں۔ اس وقت غلبے کا مطلب صرف اور صرف مغرب کے مادی، معاشی، مالی، سائنسی منابع پر قبضہ ہے یعنی اصل مسئلہ صرف یہ ہے کہ مغرب کی جگہ ہم آ جائیں اور مغرب نے تین سو سال میں جو دنیا تعمیر کی ہے وہ تو ٹھیک ہی ہے بس اس میں ہمارا آدمی نہیں ہے۔ وہاں مسلمان اقتدار اور اختیارات سنبھال لیں یعنی جدید نظام زندگی اداروں، علمیت، عقیدوں کی تبدیلی غیر اہم ہے صرف چہروں کی تبدیلی اہم ہے۔ ظاہر ہے یہ نقطۂ نظر باطل ہے۔

قصور، مردان اور کوئٹہ کے بعد چوتھا شرم ناک واقعہ: کوہاٹ میں ایبٹ آباد میڈیکل کالج کی طالبہ عاصمہ رانی کا ہے۔ عاصمہ کے قتل کی تحقیقات کے لیے سرائے نورنگ کی سیاسی جماعتوں نے مشترکہ مجلس قائم کر دی ہے۔ چیف جسٹس صاحب نے اس کیس کا نوٹس لیتے ہوئے آئی جی کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ زینب کیس میں بھی آئی جی صاحب ہی ذمہ دار قرار دیے گئے تھے۔ راؤ انوار کیس میں بھی چیف جسٹس صاحب نے کراچی کے آئی جی کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے۔ یہ سب احکامات دوسرے سوال کا جواب دیتے ہیں: پہلے سوال کا جواب نہیں دیتے۔ جدید عدالت اور قاضی عدالت میں یہی بنیادی فرق ہے۔ قاضی عدالت معاملے کی تہہ تک جاتی ہے، اس کے تمام اطراف و جوانب کو دیکھتی ہے۔ اس کے اختیارات لامحدود ہوتے ہیں وہ If اور But، یہ ہمارا اختیار نہیں، یہ قانون موجود نہیں ہے اس جرم کی سزا کا قانون پارلیمنٹ نے ہمارے کہنے کے باوجود نہیں بنایا، یہ ہمارا دائرہ ہی نہیں.... قاضی عدالت ایسی موشگافیوں میں نہیں الجھتی۔

گزشتہ ایک ہفتے میں اخبارات کے اندر بارہ، تیرہ، اٹھارہ سال کے لڑکوں کے ساتھ

بدفعلی ،جنسی زیادتی کے کئی واقعات بھی شائع ہوئے ہیں لیکن چیف جسٹس صاحب نے ان واقعات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ان کی توجہ صرف بچیوں اور عورتوں سے زیادتی اور قتل کے جرائم پر مرکوز ہے۔ظاہر ہے یہ رویہ بھی مناسب نہیں عدالت کا سائبان ،توجہ سب کو ملنی چاہیے۔یہ تو NGOs کا ایجنڈا ہے کہ صرف عورتوں پر ہونے والے مظالم کو نمایاں کیا جائے تاکہ یہ بتایا جاسکے کہ ظلم صرف عورت پر ہوتا ہے۔حالانکہ ظلم کسی جنس پر نہیں ہوتا ظلم سب پر ہوتا ہے ظلم اور مظلوم کو عورت مرد کی بنیاد پر [On Gender Basis] تقسیم کرنا جدیدیت کا کارنامہ ہے جس کے ذریعے وہ تمام روایتی ،الہامی ، دینی معاشروں اوراجتماعیتوں کو پارہ پارہ کرتی ہے۔ تاثر دیا جاتا ہے کہ ظالم صرف مرد ہے حالانکہ بہو پر ظلم کرنے والی ساس عورت ہوتی ہے مرد نہیں۔ہر جدید [Modren] بہواور ساس کا ایک ہی مسئلہ ہے کہ جب مَیں بہو بنی تو مجھے ساس اچھی نہ ملی اور جب مَیں ساس بنی تو بہو اچھی نہ ملی ۔جوان بہو سمجھتی ہے کہ وہ ہمیشہ صحت مند اور جوان رہے گی ۔بڑھاپے میں اسے کسی کی ضرورت نہیں ہوگی لہٰذا جوانی میں ساس سسر کی بھی ضرورت نہیں۔جدید معاشرہ کا فرد سول سوسائٹی کا انسان جو آزادی ، مساوات ، ترقی کے عقیدوں پر ایمان لاتا ہے،ایک مفاد پرست (Selfish) انسان اور جدید معاشرہ ایک مفاد پرست معاشرہ ہوتا ہے۔

جدید انسان اپنی ذات سے اوپر اُٹھ کر سوچنے کے قابل ہی نہیں ہوتا جدید معاشرے میں بیٹا گھر میں ماں باپ کو برداشت نہیں کرتا تو ساس سسر گھر میں کیسے برداشت کیے جاسکتے ہیں؟ اسی لیے بھارت اور چین میں تیس سالہ ترقی کے نتیجے میں بیٹوں نے ماں باپ کو گھر سے باہر نکال دیا ہے لہٰذا Parents Protection Act بنائے گئے۔ترقی یافتہ معاشروں کا یہی مسئلہ ہے۔

چیف جسٹس صاحب لڑکی سے زیادتی اور قتل کے ہر مقدمے میں متعلقہ صوبے کے آئی جی کو ذمہ دار قرار دے رہے ہیں،سوال یہ ہے کہ کوئٹہ میں بہن کے ساتھ بھائی کی زیادتی اور قتل کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی؟ ماں پر، پولیس پر،میڈیا پر،خاندانی نظام پر،عاقلہ پر؟ یہ بھائی کس تہذیب ، معاشرت ، معاشرے ، اقدار ، روایات سے تخلیق ہوا ہے ، اس کا محاسبہ کون کرے گا؟

جدید انسان نفس غیر مطمئنہ کا شکار ہے۔ کیوں کہ ترقی Development,Progrers اسی وقت ممکن ہے جب آپ ہمیشہ غیر مطمئن رہیں۔ حاضر وموجود پر اطمینان قلبی ترقی کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ انسان اپنی ہر حالت پر غیر مطمئن ہو، ہر حالت کو کمتر وحقیر سمجھے تبھی ترقی ممکن ہے۔ ترقی کے اسی عقیدے نے اٹھارہویں صدی کے بعد دنیا کے تمام معاشروں، تہذیبوں کو مجرمانہ معاشروں میں تبدیل کر دیا ہے۔ جدید طب میں ترقی جس رفتار سے ہو رہی ہے اس کے ذریعے مجرموں کی تعداد بھی بہت بڑھ گئی ہے۔ کچھ عرصے بعد ہماری عدالتیں بھی زینب جیسے مقدمات کے مجرموں کو سائیکو پیتھ، بیمار، مریض قرار دے کر جیل کے پھانسی گھاٹ بھیجنے کے بجائے ہسپتال بھیجیں گی۔ مغرب میں یہ تبدیلی آچکی ہے۔ وہاں عدالتوں کے فیصلے اب سائیکالوجسٹ کے ذریعے ہو رہے ہیں۔ اب مجرم ملزم گناہ کا مرتکب نہیں ہو رہا وہ جرم کے Guilt کا مرتکب ہو رہا ہے اور جرم مغرب میں بیماری ہے نفس کی، ذہن کی۔ لہٰذا امریکا میں ہوٹل سے فائرنگ کر کے ۵۳ لوگوں کو ہلاک کرنے والا دہشت گرد شخص Stephen Paddock کو صرف ذہنی مریض قرار دیا گیا۔ کیا وہ وقت اب یہاں بھی آ رہا ہے؟

ہم بار بار ترقی کے عقیدے پر کیوں تنقید کرتے ہیں؟ اس کے لیے ہم پاکستان پر نظر ڈالتے ہیں۔ پاکستان اپنے آغاز سے پہلے ہی امریکا کا حلیف بن چکا تھا امریکا کے نام بابائے قوم سے لے کر ضیاء الحق تک تمام خطوط شائع ہو چکے ہیں۔ ستر سال تک امریکا کی اطاعت و فرماں برداری کا نتیجہ ٹرمپ کا حالیہ بیان ہے

Pakistan has given us nothing but lies & deceit.

اس کے جواب میں پاکستانی قیادت نے صرف یہ کہا کہ ہمیں امداد نہیں عزت چاہیے، ہماری قربانیوں کا تو احترام کیا جائے۔ جو ملک آپ کو جھوٹا اور بے وفا کہہ رہا ہے اس سے آپ عزت کے طلب گار ہیں؟ ہم اس مقام تک صرف اس لیے آ گئے ہیں کہ ہمیں ترقی چاہیے۔ پاکستان نے ستر سالوں میں جو ترقی کی ہے وہ امریکا اور یورپ کی امداد اور قرضوں سے کی ہے۔ تفصیلات کے لیے کے عارف کی کتاب 'Pak America Relations' پڑھ لیجیے۔ جب ترقی اصل مقصود ہے تو ترقی کا نتیجہ بھی دیکھنا ہوگا۔ مغرب میں جنسی درندگی ترقی اور آزادی کا نتیجہ ہے۔ جس تہذیب اور قوم نے ترقی کے مغربی عقیدے کو اختیار کیا اس کا انجام یہی ہے۔

اسلام اور پاکستان پروفیسر طارق بٹ

۱۸۲۹ علماء کرام کا آدھا سچ

ہم ان معزز علماء کرام سے مکمل اتفاق کرتے ہیں جنہوں نے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف خروج کو ناجائز قرار دیا ہے۔ ہم ان لوگوں کی بھی مذمت کرتے ہیں جو ان معزز و محترم علماء کرام کو اس لیے 'سرکاری مولوی' اور 'علماء سوء' کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے یہ فتویٰ حکومت کے دباؤ پر جاری کیا ہے۔ اگر حکومت نے اس مقصد کے لیے دباؤ ڈالنا ہوتا تو وہ ۱۴ سال پہلے ڈالتی تاکہ اس کے سرپرست کفار حملہ آوروں کو ہمسایہ ملک میں شکست کا سامنا نہ کرنا پڑتا اور نہ بیچارے غامدی صاحب کو ملک بدر ہونا پڑتا۔ ان لوگوں کی اس بات میں بھی کوئی وزن نہیں کہ یہ فتویٰ اس لیے غیر معتبر ہے کہ یہ کسی دار العلوم کی بجائے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے، غیر عالم صدر کے محل سے۔ اور اس کے تصدیقی دستخطوں سے جاری ہوا ہے کیونکہ فتویٰ تو فتوی ہوتا ہے خواہ وہ کسی جامعہ کے دار الافتاء سے جاری ہو یا صدارتی محل سے۔ ہم ان علماء کرام کی مجبوری سمجھ سکتے ہیں جنہوں نے اس فتوی پر دستخط کیے ہیں۔ ہم 'عالم' ہوتے تو ہم بھی دستخط کرتے کہ حکومت چیز ہی ایسی توپ ہوتی ہے۔ ایک پنجابی محاورے کا ترجمہ ہے کہ 'جن کے گھر دانے (یعنی رزق) ان کے بیوقوف بھی سیانے' اور یہاں تو رزق چھوڑ پوری ریاست اس فتوی کی خواہش مند تھی۔

ہمیں ذاتی طور پر اس فتوے سے اس لیے بھی اتفاق ہے کہ فاٹا کے نامراد اور ناہنجار دہشت گردوں نے امریکہ اور بھارت کی غلامی قبول کر کے اور وطن عزیز کے خلاف مسلسل دہشت گردی کا ارتکاب کر کے خود کو باغی اور قابل گردن زدنی ثابت کر دیا ہے۔

ہم نے اس فتوی پر دستخط کرنے والے ایک معزز عالم دین سے پوچھا کہ آپ نے یہ تو صحیح فتوی دیا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے خلاف لڑنے والا باغی ہے لیکن کیا آپ نے اس سوال پر بھی غور کیا ہے کہ کفار کی غلامی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر کوئی مسلم حکومت کفار کے دباؤ میں آ کر اور ان سے پیسے لے کر اپنے عوام پر حملہ کر دے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب کسی نے مجھ سے یہ سوال پوچھا ہی نہیں تو میں اس کا جواب کیوں دوں اور اس کے بارے میں کیوں سوچوں؟ ہم ان کی سادگی اور صراحت سے متاثر ہوئے اور ہماری سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ انہوں نے فتویٰ پر دستخط کیوں کیے ہیں اور آدھا سچ کیوں بولا ہے؟

اسلام اور پاکستان

پروفیسر ملک محمد حسین

معاشرے سے جنسی جرائم کا سدِّ باب

عورتوں اور بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات ہر معاشرے میں ہوتے ہیں اور ہر دور میں ہوتے آئے ہیں۔ ایسے واقعات کے وقوع کی شرح اسلامی معاشروں میں کم رہی ہے اس لیے کہ معاشرے کا عمومی ماحول لوگوں کا عمومی کردار اور اس قبیح فعل کے خلاف اسلامی تعلیمات اور خوفِ خدا ایسے واقعات کے نہ ہونے کا مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ بدقسمتی سے کچھ عرصہ سے اسلامی معاشرے بھی جو کئی طرح سے اب اسلامی معاشرے نہیں رہے جنسی آوارگی کا شکار ہو گئے ہیں۔ عورتیں اور خصوصاً بچے جنسی بربریت کا بہت زیادہ شکار ہو رہے ہیں۔ جنسی گناہ کے تشت از بام ہونے کے ڈر سے جنسی ہوس کی تکمیل کے بعد جنسی شکار ہونے والوں (Sexual Victims) کے قتل کی شرح بھی بہت بڑھ گئی ہے۔

☆ بچوں (لڑکیوں اور لڑکوں) کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات زیادہ تر کہاں ہوتے ہیں؟

جنسی زیادتی کے زیادہ تر واقعات رہائشی سکولوں، رہائشی دینی مدارس، مخلوط تعلیم کے اداروں اور ایسے ماحول میں ہوتے ہیں جہاں بچے گھر والوں کی نگرانی کے بغیر آزاد گھوم رہے ہوں۔ رہائشی تعلیمی اداروں کو اخلاق و کردار کی تعمیر اور نظم وضبط کی حامل زندگی کے حصول کے لیے مدد و معاون سمجھا جاتا تھا لیکن کتنی بدقسمتی کی بات ہے کہ یہی تعلیمی ادارے اور اُن کے ذمہ داران بچوں کی عفت و عصمت کے شکاری بن جاتے ہیں۔ مخلوط تعلیم کے ادارے ننھے بچوں کے ساتھ زیادتی کے واقعات کے ساتھ بڑی عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں کی زندگیاں تباہ کرنے کا بھی اکثر باعث بنتے ہیں۔ پنجاب کے وزیر اعلیٰ نے پرائمری سکولوں میں مخلوط تعلیم رائج کی نیز مرد اور خواتین اساتذہ کی سکولوں میں مخلوط تقرریاں کر کے مرد و زن کے اپنے اپنے دائرہ کار میں کام کرنے کی حدیں ہی توڑ دیں۔ ادھر پرائیویٹ تعلیمی ادارے، چاہے لبرلز کے ہوں یا اسلامسٹوں کے سب کے سب مخلوط تعلیم کے فروغ کا باعث ہیں۔ لڑکوں کو نوجوان استانیاں پڑھا رہی ہیں تو لڑکیوں کو نوجوان اساتذہ۔ جنسی ہوس کے موجودہ دور میں استاد اور شاگرد کا یہ قریبی تعلق کئی پہلوؤں پر مبنی جنسی ہوس کے لیے سازگار رہے۔

☆ مقامات جو زیادہ تر بچوں کے ساتھ زیادتی کے لیے استعمال ہوتے ہیں؟

ہاسٹلز، سکولوں کی پوشیدہ جگہیں، استعمال میں نہ رہنے والے مکانات، کھیت اور اُجاڑ جگہیں، حتیٰ کہ مدارس اور مساجد کی پوشیدہ جگہیں اس قبیح کام کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ اگر اس بات کی آگاہی ہو کہ کون سی جگہیں جنسی آوارگی کے لیے استعمال ہوتی ہیں تو ان کی مناسب نگرانی سے زیادتی کے واقعات کو کنٹرول کرنا ممکن ہے۔

☆ بچوں کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب عام طور پر کون کرتے ہیں؟

دیکھا گیا ہے کہ قریبی رشتہ دار، دوست اور پڑوسی عام طور پر اس خرابی کا باعث بنتے ہیں۔ پاکستان میں حال ہی میں ہونے والے اکثر واقعات اس امر کی تائید کرتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ زیادتی میں اساتذہ اور بڑی عمر کے لڑکے اور بعض واقعات میں لڑکیاں ملوث پائی گئی ہیں۔ مغربی دنیا میں تو والد اور بھائی اپنے ہی بچوں کے ساتھ زیادتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ پاکستانی معاشرے کے متعلق ابھی تک خوش فہمی یہی ہے کہ شاید حالات کی گراوٹ ابھی اس سطح تک نہیں پہنچی۔ گلی محلے کے دکاندار بھی جہاں چھوٹے بچے سودا سلف یا کھانے پینے کی چیزیں لینے جاتے ہیں بعض اوقات زیادتی کے واقعات میں ملوث پائے گئے ہیں۔ جہاں صاحب دفتر اور دوستوں کے کلب سے فارغ نہیں ہوتا اور بیگم صاحبہ سوشل سرگرمیوں میں ڈوبی ہوئی ہوں وہاں اُن کے بچے ملازموں کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں اور اس رحم و کرم میں زیادتی کے وہ عناصر بھی شامل ہو جاتے ہیں جو ہمارا اس وقت موضوع ہیں۔

☆ جنسی بے راہ روی کی وجوہات

جنسی بے راہ روی کی بنیادی وجہ جنسی ہوس اور جنسی بھوک ہے جو مخلوط تعلیم، مخلوط سماجی محفلیں، میڈیا پر فحاشی اور عریانی سے بھرپور جنسی مناظر، بے لگام سوشل میڈیا، پورنوگرافی، عمومی بے راہ روی، امن و امان کی کمزوری، فرسودہ عدالتی نظام، تاخیر سے شادیاں، مرد و زن کا کھلا اختلاط، اہل خانہ کی بے توجہی اور زور آوروں کی زور آوری اور ان سب پر حاوی بین الاقوامی سیکس انڈسٹری ہے جس کی سرحدیں اب ناپید ہیں۔ سیکس انڈسٹری کمائی کا ذریعہ بن گئی ہے۔ ایک اخباری رپورٹ کے مطابق فلپائن کا ایک قصبہ ہے جس کے تمام باسی سیکس انڈسٹری سے روزگار کماتے ہیں اور اپنے ہی بچوں کو اس قبیح دھندے میں استعمال کرتے ہیں۔ اربوں

ڈالر کی اس بین الاقوامی انڈسٹری کا اندازہ اس سے لگائیں کہ 2006ء میں ایک غیر اخلاقی ویب سائٹ کی 23ارب وزٹ (Visits) ہوئیں یعنی ایک سیکنڈ میں 19 وزٹس۔ اسی طرح 2017ء میں 93ارب 28 کروڑ 2لاکھ بے ہودہ وڈیوز دیکھی گئیں۔

انسانوں کی ایک نفسیاتی جنسی بیماری سامنے آئی ہے جسے (Paedophile) کہتے ہیں اور جس کے مطابق بچوں کی طرف جنسی رجحان کا ہونا ہے۔ اس بیماری کا شکار انسان بھی بچوں سے زیادتی کا باعث ہوتے ہیں۔

☆ جنسی بے راہ روی اور جنسی زیادتی کی سطح

اس وقت دنیا میں جنسی بے راہ روی اور خاص طور پر بچوں کے ساتھ جنسی بے راہ روی کے واقعات ہوش رُبا ہیں۔ یاد رہے کہ جنسی زیادتی اور جنسی بے راہ روی کے رپورٹ ہونے والے واقعات حقیقی تعداد سے کہیں کم ہوتے ہیں۔ خاص طور پر پاکستان جیسے معاشروں میں جہاں لوگ شرم اور بے عزتی سے بچنے کی خاطر اکثر زیادتیاں پی جاتے ہیں تاہم رپورٹ ہونے والے واقعات بھی کچھ کم نہیں ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ہر سال 63ہزار بچے زیادتی کا شکار ہوتے ہیں۔ برطانیہ میں ہر سال زیادتی کا شکار ہونے والے بچوں کی تعداد تیس ہزار ہے اور سال بہ سال اس میں 10فیصد اضافہ ہو رہا ہے۔ پاکستان میں 2016ء میں کے ایک سروے کے مطابق ہر روز 11 بچے زیادتی کا شکار ہوتے ہیں۔ قومی اسمبلی میں پیش کی گئی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق پاکستان میں پچھلے پانچ سالوں میں 17862 بچے زیادتی کا شکار ہوئے، لواطت اور جنسی عمل کے شکار ان بچوں کی تعداد جو مخلوط تعلیمی اداروں، رہائشی تعلیمی اداروں یا دیگر جگہوں میں پائے جاتے ہیں اُن کی تعداد ہزاروں میں ہوگی۔ یقین نہیں آتا لیکن ایک بااعتبار اخباری رپورٹ کے مطابق پاکستان میں ہر سال تقریباً 9لاکھ خواتین جو بے احتیاطی سے جنسی عمل کے دوران مانع حمل اقدامات کا خیال نہیں رکھتیں اسقاطِ حمل کراتی ہیں۔

☆ بچوں کے ساتھ زیادتی اور جنسی بے راہ روی روکنے کے لیے انسدادی اقدامات

ا۔ حکومتِ پنجاب نے ایک اچھا کام کیا ہے کہ والدین، اساتذہ اور بچوں کی عمومی آگاہی کے لیے آٹھ صفحات پر مشتمل ایک پمفلٹ شائع کیا ہے جو وسیع پیمانے پر تقسیم کیا جائے

گا۔ یہ پمفلٹ اگرچہ بڑا مفید ہے لیکن اسے مفید تر بنانے کے لیے ماہرین نفسیات اور دانشوروں کی آوارگی کی روشنی میں زیادہ دلکش انداز میں دوبارہ شائع کیا جائے۔

۲۔ ٹی وی چینلز پر عریانی فحاشی سے بھرپور جنسی مناظر کی پبلسٹی پر پابندی عائد کی جائے۔

۳۔ ٹی وی چینلز پر دکھائے جانے والے ڈرامے اخلاقی بگاڑ کے سب سے بڑے ذمہ دار ہیں۔ان ڈراموں کو سختی سے سنسر کیا جائے۔

۴۔ پی ٹی وی مالیات اکٹھی کرنے کے لیے بھی ہر صارف سے فیس وصول کرتا ہے لہٰذا پی ٹی وی کے تمام چینلز پر اشتہار بازی مکمل طور پر بند کی جائے تا کہ ناظرین کو کم از کم ان چینلز پر تو اشتہارات کی شکل میں گندگی نہ دیکھنی پڑے۔ پی ٹی وی بچوں کے لیے اصلاحی، آگاہی پروگرام دلکش انداز میں نشر کرے تا کہ بچے اخلاقی طور پر محفوظ رہیں۔

۵۔ ہر ٹی وی چینل اپنے ایک گھنٹے کے ہر پروگرام میں تین منٹ بچوں کے ساتھ زیادتی کے انسدادی آگاہی پروگرام کے لیے مختص کرے۔ حکومت اور پیمرا قانون سازی کے ذریعے اسے یقینی بنائے۔

۶۔ ہر اخبار ہفتے میں کم از کم ایک بار اور ہر ماہانہ رسالہ اپنا ایک صفحہ بچوں کے زیادتی کے انسدادی آگاہی پروگرام کی اشاعت کے لیے مخصوص کرے۔

۷۔ بڑوں میں یہ شعور پیدا کیا جائے کہ وہ جب کسی بچے کو کسی بالغ فرد کے ساتھ جاتا دیکھے اور شک گزرے کہ یہ ساتھ درست نہیں ہے تو انہیں روک کر سوال کرے اور اطمینان کرے کہ کوئی جرم تو نہیں ہونے جا رہا۔

۸۔ بچوں کی گمشدگی، اغوا یا زیادتی کا واقعہ ہونے پر فوراً پولیس کو اطلاع دی جائے۔ اس کے لیے ایک ٹیلی فون نمبر مخصوص کیا جائے اور اُسے عام کیا جائے۔ پولیس اطلاع ملتے ہی فوراً حرکت میں آئے۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کے ذریعے ایسا میکانزم تیار کیا جائے کہ بچے کے اغوا یا گمشدگی کی خبر فوراً تمام ٹی وی چینلز پر چلنا شروع ہو جائے اور اہم پبلک مقامات پر ڈسپلے آنا شروع ہو جائے۔ اطلاع ملنے پر پولیس فوری ایکشن نہ لے تو متعلقہ ذمہ دار کو فوری کڑی سزا دی جائے۔ بچوں کے ساتھ زیادتی کے بعد قتل کا واقعہ ہونے پر اگر مجرم نہ پکڑا جائے تو متعلقہ

پولیس اسٹیشن انچارج کو کڑی سزا دی جائے۔

۹۔ جنسی بے راہ روی کے سلسلہ میں بُرے عرف کے لوگوں کا پولیس ریکارڈ رکھے اور کوئی جرم سرزد ہونے پر ان لوگوں سے پوچھ گچھ کی جائے۔

۱۰۔ والدین اپنے بچوں کی نگرانی اور حفاظت میں کوتاہی نہ کریں۔ اس کوتاہی کے مرتکب والدین کی بھی قانونی سرزنش کی جائے۔

۱۱۔ جمعہ نماز کے خطیب حضرات اپنے ہر خطبہ میں جنسی بے راہ روی پر قرآن وحدیث کی روشنی میں سامعین کو اللہ کا خوف دلائیں اس سلسلہ میں محکمہ اوقاف خطباء حضرات کی علمی مدد کرے۔

۱۲۔ سکولوں کی مارننگ اسمبلی میں سکول انتظامیہ بچوں کے لیے آگاہی کے پروگرام رکھے تاکہ وہ جنسی زیادتی کے خطرات سے بچ جائیں نیز دیگر ادبی اور سماجی پروگراموں میں بھی اس کا اہتمام کرے۔

۱۳۔ پورے ملک میں پبلک مقامات یعنی ائیرپورٹس، ریلوے سٹیشنز، بس اڈوں کی انتظار گاہوں نیز مساجد میں بچوں کو زیادتی سے بچانے کے آگاہی پروگرام پر مشتمل فلیکس لگائے جائیں۔

۱۴۔ بچوں کو زیادتی سے بچانے کے لیے والدین کی آگاہی کا مواد ایک ہینڈ بل دلکش رنگین شکل میں شائع کیا جائے اور حکومت یہ ہینڈ بل مناسب تعداد میں ہر ضلع کی ایجوکیشن اتھارٹی کو مہیا کرے جو مناسب تعداد میں تمام سکولوں کو مہیا کرے۔ یہ ہینڈ بل بچوں کے والدین کو دیا جائے۔

۱۵۔ مخلوط تعلیم اور اساتذہ کی مخلوط تقرریوں کو مکمل طور پر ختم کیا جائے نیز سرکاری سکولوں کے ساتھ پرائیویٹ اداروں کو بھی اس کا پابند بنایا جائے۔

۱۶۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق حدودِ ستر، حدودِ پردہ اور محرم نامحرم کے شرعی قوانین کا شعور پیدا کیا جائے۔ علماء کرام اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کریں نیز والدین کو آگاہی دی جائے کہ دوستوں اور غیر محرم رشتہ داروں سے گھر کی بے تکلفی سے اجتناب کریں کیونکہ اکثر جنسی جرائم میں دوست، رشتہ دار اور پڑوسی ملوث پائے گئے ہیں۔

دریچے نقیبِ سحر

پڑھتا جا شرماتا جا

۱۔ ہمارے ایک دوست کی کچھ جائداد ہے جس پر قانون کے مطابق پراپرٹی ٹیکس عائد نہیں ہوتا لیکن ضلع کا ایکسائیز اینڈ ٹیکیشن کا محکمہ انہیں پراپرٹی ٹیکس کے ڈیمانڈ نوٹس بھجواتا رہتا ہے۔ ۲۰۱۷ء میں ۸۵ ہزار روپے کا نوٹس بھجوایا گیا، ادائیگی کے لیے دو دن کا نوٹس دیا گیا (جب کہ قانون میں ۳۰ دن دینے ہوتے ہیں)۔ اگرچہ یہ پہلا نوٹس تھا لیکن آخری نوٹس کی مہر لگا کر یہ دھمکی بھی دے دی گئی کہ عدم ادائیگی کی صورت میں پراپرٹی سِیل کردی جائے گی۔ پراپرٹی کے مالک کی خاموشی پر دوسرا نوٹس بھیجا گیا اور ٹیکس کی رقم آدھی کردی گئی۔ ساتھ دھمکی کی روایت برقرار رہی۔ پراپرٹی کے مالک کے تحریری احتجاج پر ایک سال خاموشی اختیار کرلی گئی اور سال کے بعد ۱۵ ہزار روپے کا ڈیمانڈ نوٹس بھجوادیا گیا جس میں آدھا ٹیکس رواں سال کا اور آدھی رقم بقایا میں ڈال کر ادائیگی کے لیے صرف ایک دن دیا گیا اور ساتھ جائداد سِیل کرنے کی دھمکی بھی لگادی گئی۔ پراپرٹی کے مالک نے کسی صاحبِ حال سے رہنمائی لی تو پتہ چلا کہ بیچارا پراپرٹی ٹیکس کا محکمہ دہائیاں دے دے کر آپ سے سودے بازی کی بھیک مانگ رہا ہے اور آپ ہیں کہ توجہ ہی نہیں دے رہے۔ ادھر خادمِ پنجاب اخباری اشتہارات کے ذریعے پراپرٹی ٹیکس کے معاملات کو شفاف اور کرپشن فری بنانے پر لاکھوں کروڑوں خرچ کر چکے ہیں اور اِدھر محکمہ کے اہل کار جعلی ڈیمانڈ نوٹسوں کے ذریعے سودے بازی کی بھیک مانگ رہے ہیں، ہے نہ خادم اعلیٰ پنجاب کی گڈ گورننس کی روشن مثال۔

۲۔ ’لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم‘ تحریک کے چیئرمین جناب ڈاکٹر اشرف جلالی صاحب جیل بھرو تحریک کے حوالے سے گلا گلا پھاڑ کر تھک چکے اور اُدھر حکومت پنجاب اپنی بے حسی کے باعث جناب جلالی صاحب کو ثوابِ دارین سے محروم کیے ہوئے ہے۔ اب جناب جلالی صاحب نے اپنی تحریک پورے صوبہ پنجاب میں پھیلانے کی دھمکی دی ہے۔ حکومت پنجاب سے دست بستہ درخواست ہے کہ پیشتر اس کے کہ جلالی صاحب اپنی تحریک بین الاقوامی سطح پر پھیلا دیں مہربانی کر کے توجہ فرما کر ثوابِ دارین حاصل کریں۔

۳۔ قبلہ محترم گدی نشین سیال شریف نے فرمایا ہے کہ وزیر قانون پنجاب رانا ثناء اللہ نے

اپنی وضاحت (اپنے دین وایمان کی وضاحت) جس کمیٹی کے سامنے کی ہے اس میں کمیٹی کے کچھ ارکان موجود نہیں تھے لہٰذا ہمیں رانا ثناء اللہ کی وضاحت قبول نہیں ہے اور ہماری تحریک جاری رہے گی۔ محترم پیر سیالوی صاحب نے حق کی بات کی ہے کیونکہ لوگوں کے دین وایمان کی تصدیق کا قلمدان اُن کی ذات بابرکات کے پاس ہے۔ یہ روحانی اور دینی رِٹ اُن کی قائم رہنی چاہیے ورنہ...

۴۔ چور ہے، ڈاکو ہے، گاڈ فادر ہے، سسلین مافیا ہے۔ میں اس کو چھوڑوں گا نہیں۔ اڈیالہ جیل میں ڈلوائے بغیر چھوڑوں گا نہیں۔ نواز شریف کے خلاف ''حق'' کی یہ آواز عمران خان کی ہے جو نذر گوندلوں اور فردوس عاشق اعوان کو مشرف بہ تحریک انصاف کر کے کرپشن کی خوشبو ہواؤں میں تحلیل کر چکا ہے۔ اُدھر اسی قسم کی سرگوشیاں شاہراہِ دستور کی ایک خوبصورت عمارت سے بھی آ رہی ہیں۔ شاید عمران خان کی بات سچ ثابت ہونے والی ہے۔ پیشگی مبارک ہو اڈیالہ جیل کو کہ اُسے نواز شریف کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے والا ہے۔

۵۔ صالحیت کی خوشبو کس طرف سے آ رہی ہے، عمران خان کی طرف سے یا مولانا فضل الرحمن کی طرف سے؟ اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کس طرف سے آ رہی ہے۔ میری قسمت میں تو محرومی ہی لکھی ہے۔

۶۔ سرکاری نظامِ تعلیم کے اربابِ حل وعقد شاداں ہیں کہ تعلیم کے فروغ کے لیے بڑا کام ہو رہا ہے۔ اساتذہ کے گریڈ اپ گریڈ ہو رہے ہیں۔ تعلیمی وظائف کی بارش ہو رہی ہے۔ اساتذہ کی بھرتی میں میرٹ پر عمل ہو رہا ہے، نصاب اور کتاب نکمے ماہرین تعلیم کے ہاتھوں سے لے کر بیوروکریسی کے محفوظ ہاتھوں میں دے دی گئی ہے اور امتحانی عمل کو شفاف بنانے کے لیے امتحانی بورڈوں کی باگ ڈور، ڈویژنل کمشنروں کے ہاتھ میں تھما دی گئی ہے۔ ہیڈ ماسٹروں پر عدم اعتماد کر کے اساتذہ کی حاضری یقینی بنانے کے لیے ریٹائرڈ حوالداروں کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں۔ بچوں اور ان کے والدین کی سہولت کی خاطر پانچویں اور آٹھویں جماعتوں کے امتحانی پرچے ایک دن پہلے ہی پبلک کر دیے جاتے ہیں۔ مالیات کو مضبوط کرنے کے لیے امتحانی اداروں کو فنڈ کلکشن ایجنسی بنا دیا گیا ہے۔ ان سب اقدامات کے باوجود تعلیم کی ہیئت مقتدرہ، سول ہیئت مقتدرہ اور فوجی ہیئت مقتدرہ کے بچے شعبہ تعلیم کے سرکاری سکولوں میں نہیں پڑھتے۔ ہے نہ اپنے اوپر اعتماد کی شاندار مثال!

۷۔ معیارِ حق اللہ کی ذات اور اس کے بعد اللہ ربّ العزت کے پاک پیغمبر ہیں۔ اب

آخری معیارِ حق صرف اور صرف اللہ کے آخری رسول ﷺ ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کوئی کسی کو معیارِ حق مانتا ہے تو گویا وہ ختم نبوت کا انکاری ہے۔ یہ کہنے کے بعد حیرانی ہوئی جب جناب خورشید ندیم کے ایک کالم سے (بحوالہ مولانا زاہد الراشدی صاحب) پتہ چلا کہ مختلف دینی جماعتوں کی طرف سے جماعتِ اسلامی سے اتفاق کی خاطر مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے دستور سے اس شق کو خارج کرے جس میں اعلان کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ ہی صرف معیارِ حق ہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی اور شخصیت معیارِ حق نہیں ہے۔ ہے نہ ختم نبوت سے انکار کی ایک عجیب وغریب مثال کہ جس کا اگر برملا اظہار کیا گیا تو "علمائے حق" انکارِ ختم نبوت کا فتویٰ لگا دیں گے۔

۸۔ پاکستان میں قرآن مجید کے لاکھوں نہیں تو ہزاروں حفاظ موجود ہیں۔ لاکھوں مساجد ہیں اور بعض مساجد تو واقعی شان وشوکت کا عظیم نمونہ ہیں۔ ہزاروں دینی مدارس جن میں ایک اندازے کے مطابق ۶۴ لاکھ طلبہ وطالبات دین کا علم حاصل کر رہے ہیں۔ ملک میں ہر ہفتہ لاکھوں دروسِ قرآن کی محفلیں، لاکھوں محافل نعت اور جمعہ کے خطبات کے لاکھوں اجتماع ہوتے ہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں اسلامی تعلیمات کا غلغلہ ہے۔ ملک کا دستور اسلامی ہے۔ وطن عزیز میں اسلام کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی اور، اور، اور.... لیکن اس سب کے باوجود عمل کی سطح پر تاجر ہوں یا صنعت کار، افسران ہوں یا ملازمین، ریڑھی والا ہو یا سپر سٹور کا ایم ڈی، استاد ہو یا مولوی، کاشتکار ہو یا دستکار (الا ماشاء اللہ) اکثر وبیشتر عمل کی سطح پر غیر مسلموں سے بھی گئے گزرے ہیں اور دُکھ کی بات یہ ہے کہ کسی کو بھی اس کا احساس نہیں۔ نہ استادِ محترم کو، نہ علمائے کرام کو، نہ سیاسی جماعتوں کے قائدین کو اور نہ عمائدین حکومت کو حتیٰ کہ عدل وانصاف کی اونچی کرسیوں پر بیٹھے اونچی تنخواہیں لینے والے جسٹس صاحبان بھی سوائے تڑیاں لگانے اور اپنی اہمیت جتانے کے کچھ نہیں کرتے۔ ہے نہ کالی رات کا سماں جہاں سحر ہونے کی توقع کہیں نظر نہیں آتی!

۹۔ معاشرہ فتنہ باز اینکروں، بے عمل عالموں، بے حس استادوں، کرپٹ تاجروں، گھٹیا عمالوں، خود پسند ججوں، شیخی باز سیاستدانوں اور پیٹ کی آگ بجھانے میں دن رات مشغول والدین کے رحم وکرم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری آئندہ نسلوں پر رحم فرمائے اور ہم سب کو سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یا ربّ العلمین.

ڈائیلاگ

مدیر

نقطۂ نظر

ا۔ آدھا خالی گلاس

البرہان جنوری ۲۰۱۸ء میں ہم نے ’فکر ونظر‘ میں لکھا تھا کہ پاکستان میں دینی قوتوں کی جدوجہد کے باوجود آدھا گلاس خالی ہے اور دینی قوتوں کو سوچنا چاہیے کہ آدھا گلاس خالی کیوں ہے اور اسے کیسے بھرا جائے؟ اس پر کراچی سے محمد شمشاد صاحب نے تبصرہ کیا ہے کہ آدھا گلاس بھی کہاں ہے، وہ بھی مسلسل خالی ہو رہا ہے اور یہ بات جماعت اسلامی پر عین منطبق ہوتی ہے۔

ہم عرض کریں کہ دینی قوتیں پاکستانی معاشرے میں تیزی سے غیر موثر ہوتی جا رہی ہیں اور دینی اصول واقدار پسپا ہو رہی ہیں۔ دینی قوتوں کا فرض ہے کہ وہ اس صورت حال پر سنجیدگی سے غور کریں اور اپنے منہج اور لائحہ عمل پر نظر ثانی کریں۔ سوچ بچار اور غور وخوض کے بعد وہ دینی جدوجہد کا نیا لائحہ عمل وضع کریں جو نئے چیلنجز، ضروریات اور تقاضوں کے مطابق ہو اور مزید موثر ثابت ہو۔ جو دینی قوتیں ہماری مخاطب ہیں ان میں جماعت اسلامی ہی نہیں ساری دینی سیاسی جماعتیں، تبلیغی واصلاحی تحریکیں، دینی مدارس، مساجد اور چھوٹے بڑے دینی ادارے سب شامل ہیں۔

۲۔ پاکستان کی سیاسی صورتِ حال

اس موضوع پر لکھتے ہوئے ہم نے دسمبر ۲۰۱۷ء کے شمارے میں پاکستان کے حالات کے بارے میں لکھا تھا کہ:

”پاکستان ان دنوں سیاسی عدم استحکام کا شکار ہے کیونکہ پاکستان میں امریکی چھتری تلے عسکری اور عدالتی قیادت سیکولرزم کے سائے میں ایک ہوگئی ہے اور اس سیاسی قیادت کو اٹھا کر باہر پھینک دیا گیا ہے جو امریکی خواہشات وعزائم کو پورا کرنے میں سستی اور تحفظات کا مظاہرہ کر رہی تھی اور امریکی ایجنڈے کو بروئے کار لانے میں اس عسکری قیادت کی بالادستی قبول کرنے میں مزاحم تھی جو زیادہ تیزی اور موثر طریقے سے امریکی ترجیحات پر عمل کرسکتی

ہے۔ یہ بالکل مصر جیسی صورت حال ہے، اس فرق کے ساتھ کہ نواز شریف واقعی کرپٹ ہیں جبکہ صدر مرسی کا جرم اسلامی نظام حیات پر اصرار تھا۔ نواز شریف کا جرم صرف کرپشن نہیں تھا۔ کرپشن میں تو ظاہر ہے ان کے ساتھ دوسرے سیاسی زعما (اور شعبے) بھی ملوث ہیں خصوصاً زرداری صاحب تو اس میدان میں سب کے سردار ہیں لیکن نزلہ صرف نواز شریف پر گرا اس لیے کہ وہ برسر اقتدار تھے اور مذکورہ رویے کے حامل تھے۔‘‘

اس پر گوجرانوالہ کے معروف ایڈووکیٹ اور دانشور چوہدری محمد یوسف صاحب نے ہمارے موقف پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ شاید ہمیں ’شریفوں‘ سے ہمدردی ہوگئی ہے جبکہ ان کی رائے میں وہ بھی امریکی غلام ہیں اور ان کے ’گناہ‘ بہت زیادہ ہیں (مثلاً اردو کا عدم نفاذ، یوم اقبال کی چھٹی کا خاتمہ، سود جاری رکھنا، کرپشن، توہین رسالت، بھارت سے دوستی... وغیرہ) اور وہ واقعی نکالے جانے کے قابل تھے بلکہ انہوں نے تو لکھا ہے کہ وہ قابل گردن زدنی تھے اور ہیں۔ ہمیں چوہدری یوسف صاحب سے اصولاً اتفاق ہے اور ہم ’شریفوں‘ کا ہرگز دفاع نہیں کر رہے بلکہ ہم نے تو صرف یہ لکھا تھا کہ شریفوں کے نکالے جانے کی وجہ صرف کرپشن (یا دوسری وہ باتیں جن کا چوہدری صاحب نے ذکر کیا ہے) نہیں ہیں بلکہ یہ ہے کہ وہ امریکی غلامی میں ہماری ’اسٹیبلشمنٹ‘ سے پیچھے رہ گئے ہیں چنانچہ ’بادشاہ گروں‘ نے انہیں فارغ کر دینے کا فیصلہ کرلیا۔ یہ ہماری سوچی سمجھی رائے تھی اور ہے۔ تفصیلی دلائل کا یہ محل نہیں۔ اگر چوہدری صاحب کو کبھی لاہور آنا ہو تو ہمیں ان سے تبادلۂ خیال کر کے خوشی ہوگی۔

بقیہ: اے علماء کرام! اپنے موقف پر ڈٹے رہیے

ہم دینی قیادت اور بزرگ علماء کرام سے دردمندانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس صورت حال کا نوٹس لیں۔ اب بھی وقت ہے کہ علماء کرام اپنے موقف پر ڈٹے رہیں۔ یہ حکومتیں آنی جانی ہیں۔ مغربی تہذیب کے علمبردار خود مغرب میں کہہ رہے ہیں کہ ان کی تہذیب روبہ زوال ہے لہٰذا یہ بھی آنی جانی ہے لیکن اللہ کا دین قائم رہے گا اور وہ قائم رہنے کے لیے آیا ہے اور دلائل کی بنیاد پر وہ اس کا مستحق بھی ہے لہٰذا ہم علماء کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے موقف پر ڈٹے رہیں اور مغرب زدہ حکمرانوں اور سکالروں کے فریب میں نہ آئیں کہ

-°F, Lsṛø< nâûýLṭu° rF'`